

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224867

UNIVERSAL
LIBRARY



۷ جنوری سنہ ۱۳۳۳ ع

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

جلد ۱۳ نمبر ۱

فہرست مضامین

۱	دو دو باتیں	اڈشر	۸۹
۲	عجائب خانہ سمندر	سید محمد عسکری صاحب	۹۰
۳	دولت کا نشہ	محمد اشرف	۹۲
۴	پچاس برس بعد	محمد بشیر الدین	۹۴
۵	چینی کھانی	بدر الدین چینی صاحب	۹۶
۶	ریشم	سعید انصاری	۹۷
۷	غلط فہمی	بشیر احمد	۹۹
۸	گوار کی وصیت	حبیب	۱۰۱
۹	عقل	محمد حسین صاحب	
		مجوی	۱۰۲

Jamia Press

ایڈیٹر - سعید انصاری

دُود و باتیں

پیامِ تعلیم کو نئی شکل میں جاری ہوئے کوئی تین مہینے گزر چکے ہیں۔ ۲۱ اکتوبر کے پرچہ میں ہم نے یہ اعلان کیا تھا کہ آئندہ سے یہ پرچہ صرف بچوں کے لئے مخصوص ہوگا۔ اس وقت سے اعلان کے مطابق ہم صرف وہی مضامین شائع کر رہے ہیں جو بچوں کے لئے مفید اور دلچسپ ہیں اس بات کا فیصلہ ہم بچوں ہی پر چھوڑتے ہیں کہ ہمیں اپنی کوششوں میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ہمارے پاس بہت سے بچوں کے خط موصول ہوئے ہیں۔ ان خطوں میں انھوں نے ہمارے فیصلہ پر اپنی خوشی ظاہر کی ہے۔ اور رسالہ کی ترقی کو اطمینان کی نظر سے دیکھا ہے۔ ہم ان کی قدردانی کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور انھیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم پیامِ تعلیم کی ترقی کے لئے پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اور ان کی توجہ اور عنایت کا یہی حال رہا تو انشاء اللہ رفتہ رفتہ پرچہ کو اس معیار پر لے آئیں گے جس کے ہم اور وہ دونوں آرزو مند ہیں۔

۲۱ اکتوبر کے رسالہ میں یہ اعلان بھی کیا گیا تھا کہ تین مہینے میں جس مضمون نگار بچے کا مضمون سب سے اچھا ہوگا۔ اسے پانچ روپے کا انعام دیا جائے گا۔ افسوس ہے کہ مضمون نگاروں نے بہت کم اس طرف توجہ کی ہے اور بہت کم مضامین دفتر میں آئے ہیں اور جو آئے ہیں ان میں سے بھی انعام کے قابل مضامین کا انتخاب بہت مشکل ہوگا۔ تاہم اس تین مہینے کے عرصے میں پیامِ تعلیم کے شائع شدہ مضامین میں جن صاحب کا مضمون سب سے بہتر ہوگا، اگلے پرچہ میں ان کا نام شائع کر دیا جائے گا۔ اور انعام ان کے پاس بھیج دیا جائے گا۔

مضمون نگار حضرات کو مضمون لکھنے کی ترغیب شاید اس لئے زیادہ نہیں ہوئی کہ ہم نے کوئی عنوان مقرر نہیں کیا تھا۔ اس سے ہماری غرض یہ تھی کہ طالب علموں کو آزادی رہے اور وہ جس عنوان پر آسانی سے لکھ سکیں، لکھیں لیکن ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں کہ عنوان مقرر کر دیئے جائیں۔

عجائب خانہ سمند

نباتی حیوان و حیوانی نباتات حیوانات کی تقسیم

اس پھول میں پتوں جیسی چیز اس کے ہاتھ پاؤں ہیں۔ یعنی ہاتھ الگ اور پاؤں الگ نہیں۔ بلکہ ایک ہی چیز سے وہ ہاتھ اور پاؤں دونوں کا کام لیتا ہے۔ ان میں تمھارے سر کے بالوں سے کہیں باریک لمبے لمبے بال ہوتے ہیں۔ جنہیں انگریزی میں فیلس (Hairs) کہتے ہیں۔ ان فیلس کے ذریعے یہ دور دور کی خبر منگاتا ہے۔ اور اور پانی کی ذرا سی حرکت اسے بتا دیتی ہے کہ کتنا بڑا جانور کس طرف سے آ رہا ہے۔ جب پانی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کو ڈر یا چھوٹی چھوٹی مچھلیاں اس کے قریب پہنچتی ہیں تو یہ بہت تیزی سے حرکت کر کے انہیں اپنے اندر لے لیتا اور فوراً مر جاتا ہے۔

چونکہ یہ دوسری سہ ماہی کا پہلا پرچہ ہے اس لئے ہم حسب ذیل عنوانوں کا اعلان کرتے ہیں۔

- ۱۔ مختصر اور دلچسپ اخلاقی کہانیاں
- ۲۔ جغرافیہ (دنیا کے بڑے بڑے شہروں ملکوں اور پہاڑوں وغیرہ کے حالات)
- ۳۔ تاریخ (چھوٹے اور مختصر قصے اور کہانیاں)

- ۴۔ دنیا کے بڑے لوگوں کے حالات بہت آسان زبان اور دلچسپ پیرائے میں۔
- ۵۔ سیر و سفر۔ اگر آپ نے کسی شہر یا دلچسپ مقام کا سفر کیا ہو، اس کے حالات۔

یہ عنوان ہم نے بچوں کی نجف سہولت اور رہنمائی کی خاطر لکھے ہیں۔ ہم انہیں ان کا پابند نہیں بنانا چاہتے۔ وہ ان عنوانوں کے علاوہ کسی اور عنوان پر لکھنا چاہیں تو آزادی سے لکھ سکتے ہیں انعام پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

(ادیٹر)

اس پھول نما جانور کی زندگی کا یہ ہے ایک خاص لیکڑے کے ساتھ جسے ہرٹ کراب کہتے ہیں۔ یہ جانور اس طرح رہتا ہے جیسا کہ انسان کے ساتھ بسر کرتا ہے جیسے شکاری کتا انسان کے ساتھ یعنی کتا انسان کی جان کی حفاظت کرتا ہے۔ اور انسان کتے کی پرورش کرتا ہے۔ حالانکہ انسان کتے سے بہت بڑا، بہت طاقتور اور ایسا عقلمند جانور ہے کہ اس کی بندوق کی چھوٹی سے چھوٹی گولی بڑے سے بڑے ہاتھیوں اور شیروں کو چند سکند میں ختم کر دیتی ہے۔ مگر پھر بھی اسے کتے کے ساتھ ایک خاص قسم کا سمجھوتہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، بالکل یہی حالت ہرٹ کراب اور سی ایمون کی ہے۔



ہرٹ کراب

ہرٹ کراب ایک خاص قسم کا بڑا لیکڑا ہوتا ہے۔ اور لیکڑوں کے تمام اقسام میں سب سے زیادہ لڑاکو، خونخوار اور بڑے بڑے جانوروں پر جرات سے حملہ کرنے والا جانور ہے۔ مگر نظرت نے اس کی دم کی طرف کے جسم کی اچھی طرح سے

پھول کی طرح بند ہو جاتا ہے۔ اس پھول کے دوبارہ کھلنے پر ہم دیکھو گے کہ بے چارے شکا کئے ہوئے جانور کے ہاتھ پاؤں یا اسی قسم کا دوسرا فضلہ تو اس کی پنکھڑیوں پر پڑا ہوا ہے، لیکن باقی جانور غائب ہو گیا۔ اور ایک خفیف سی حرکت کے ساتھ اس نے یہ بال و پر بھی اپنے جسم پر سے بھاڑ دیئے۔ اور پھر ایک معصوم کنول کے پھول کی طرح پانی میں بہنے لگا۔ تم اس پھول کے پنج میں اپنی انگلی رکھ کر دیکھو۔ یہ فوراً بند ہو جائے گا اور ایسا معلوم ہوگا جیسے کوئی چیز تمھاری انگلی کے پوست کو آہستہ آہستہ پھینچ رہی ہے۔ اس میں یہ طاقت نہیں کہ تمھیں نقصان پہنچا سکے۔ جب کوشش کر کے تمھک جائے گا تو تمھاری انگلی سے جدا ہو کر دوسری طرف بہنے لگے گا۔

بڑے بڑے عقلمندوں نے اس ننھے سے جانور کی زندگی کا بڑے غور سے مشاہدہ کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ان نیچے درجہ کے جانوروں کو بھی کچھ نہ کچھ عقل ضرور دی ہے۔ اور ان کی سمجھ پر غور کرنے کو انسان حیران ہو جاتا ہے۔ ایک عجیب و غریب واقعہ

چھوٹے چھوٹے جانوروں کا شکار کر لیتے ہیں۔ اور کوئی بڑا جانور ان پر توجہ نہیں کرتا۔ خود کو بھوکھتی زوروں پر سوچے کہ اچھا تر نوالہ ہے۔ نہ اس کے دانت ہیں نہ بڑے بڑے ناخن، میں حملہ کروں تو اپنی کو بچائے گا کیسے، آسانی سے میرا شکار ہو جائے گا۔ روز کے سینکڑوں کھاؤں گا۔ اور مزے میں ڈکاریں لیستا پھروں گا۔ یہ سوچ کے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بس حملہ کر بیٹھے۔ منہ میں سی اینمون کا لینا تھا کہ کراہت کے ساتھ تھوک دیا +

(سید محمد مسکری صاحب)

دولت کا نشہ

ایک نہایت غریب آدمی کو اتفاقاً بہت سی دولت ہاتھ لگی۔ ایک دن وہ سوچنے لگا کہ اب تمام دلی تنائیں برائیں گیں اور اپنی خواہشوں کو بلا تردد پورا کر سکوں گا۔ فائدہ کشی کا زمانہ گیا۔ دولت واقعی ایک رحمت ہے۔ ایک برہمن نے اس کی گفتگو سن کر کہا کہ میاں بالکل ہی ایک

حفاظت نہیں کی۔ اور وہاں پر کوئی ہڈی یا نول ایسا نہیں ہے جس سے یہ جسم کا نرم حصہ محفوظ رہ سکے۔ اس لئے لڑائیوں میں دشمن اسکی دم کی طرف سے حملہ کر دیتا ہے اور یہ بے چارہ مجبور ہو کر مارا جاتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بڑی سوچ و چار کے بعد بھائی کیکڑے کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ تھے فطرتاً لڑاؤ، بغیر لڑے بھڑے آپ کو چین کہاں، آئے دن کی خانہ جنگیوں سے ہمسائے نالاں تھے سب نے ان کے خلاف ایجا کر لیا ہو گا۔ انھیں بھی دور کی سوچی، ایک روز سی اینمون کو دیکھا کہ

موسم بہار

کے پھولوں

کی مانند

کھلے کھلائے



لاچی گیدڑ نے بھی کہا تھا۔ لیکن وہ بخوس تھا۔
اس لئے جلد ہی مر گیا۔

اس آدمی نے پوچھا یہ کس طرح؟

برہمن نے کہا، سنئے! قصہ یہ ہوا کہ
قصبہ بھین نگر میں ایک بالکمال شکاری رہتا تھا
ایک دن اس نے سوچا کہ کچھ شکار لانا چاہئے
اور وہ تیر و کمان لے کر جنگل کی طرف گیا۔ اور
تھوڑی ہی دیر میں ایک ہرن شکار کر لیا۔ چونکہ
ہرن بہت بھاری تھا اس لئے وہ اسے کندھے
پر لا کر گھر کی طرف واپس آنے لگا۔

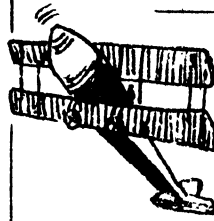
وہ تھوڑی سی دور چلا تھا کہ ایک سور
خون کی خوشبو سونگھ کر جنگل سے نکل آیا۔ جسے
ہی اس نے سور کو دیکھا، ہرن کو زمین پر ڈال کر
تیر و کمان سمیٹا لیا۔ اور اس کے نہایت تاک
کر ایک تیر مارا۔ سور فوراً زخمی ہو گیا۔ لیکن
شدت تکلیف سے اس کا غصہ اور تیز ہو گیا
تھا اور وہ غرا کر شکاری پر جھپٹا۔ اس شکاری
نے چاہا کہ ایک تیر اور مارے لیکن اس کے
تیر چلنے سے پہلے ہی سور نے اسے گرا کر
پھاڑ ڈالا۔ چونکہ خود بھی بے حد زخمی ہو گیا
تھا اس لئے تھوڑی دیر میں وہ بھی مر گیا۔

اتفاق سے ایک سانپ دھڑ سے
نکلا اور سور کی نقش اس پر گرئی، وہ بھی
نقش کے بوجھ سے دب کر مر گیا۔

اب جنگل میں برابر، برابر ہرن، شکاری
سور، اور سانپ کی لاشیں پڑی تھیں۔
ایک بھوکا گیدڑ بھی کہیں سے آنکلا
جب اس نے اتنا کھائے کا سامان دیکھا
تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور کہنے
لگا کہ میں بڑا ہی خوش قسمت ہوں، کتنا
ترقہ بغیر کسی محنت کے ملا ہے اور اب کئی
ہفتے بے فکر ہو کر خوب کھاؤں گا۔

کل اس سانپ کو کھاؤں گا۔ اور یہ آدمی
تو مہینہ بھر کے لئے کافی ہو گا۔ یہ ہرن اور سور
اگلے مہینوں میں کام آئیں گے۔ آج تو مجھے
کچھ بھوک نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے صرف
کمان کا تانت کھائے لیتا ہوں۔ یہ کہہ کر
اس نے تانت پر منہ مارا۔ اتفاق سے تانت
جوڑتا تو کمان اُچٹ کر اس کے دل پر پڑی
اور گیدڑ کی نقش بھی وہیں ترپتی نظر آئی۔
یہ تھا وہ قصہ۔ اب سمجھ لو کہ اس قصے سے
کیا غا ہر ہوتا ہے۔

میں نہیں سمجھا تھا کہ کیا مطلب ہے؟ اس آدمی نے پوچھا
 برہمن نے کہا: "بھائی بہت سی دولت کا سنبھالنا بہت مشکل کام ہے۔ انسان کو چاہیے کہ سمجھ کر خرچ کرے مگر کچھ کسی کو کام نہ لے۔"
 (ترجمہ محمد اشرف)



پچاس برس بعد

چند روز ہوئے امریکہ سے اس نام کی سینما کی ایک فلم ہندوستان آئی تھی۔ اس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ آج سے پچاس برس بعد امریکہ اور یورپ کے ملک کتنی ترقی کر جائیں گے۔ مجھے بھی اس کھیل کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بڑا ہی دلچسپ تماشا تھا۔ پیام بھائیوں کی دلچسپی کے لئے اس کھیل کا خلاصہ یہاں درج کرتا ہوں
 آج سے پچاس برس بعد ہوائی جہاز اس کثرت سے ہوں گے جیسے آج کل موٹریں ہیں ان کے بندوبست کے لئے ہوا پر

پولس کھڑی رہے گی اور جہازوں کو مختلف راستوں پر چلائے گی۔ موجودہ زمانے میں موٹریں اس کثرت سے ہیں کہ پولس ان کو سنبھال نہیں سکتی۔ ایک شخص سڑک کے ایک کونے سے دوسرے کونے کی طرف جانا چاہتا ہے مگر سوار یوں کی کثرت و بہت بہت دیر تک اسے منتظر رہنا پڑتا ہے، پھر بیزار ہو کر چلنے لگتا ہے۔ تو ڈو قدم چلتے ہی ایک موٹر ایک طرف سے تو دوسری سامنے سے آجاتی ہے۔ نہ وہ آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ پیچھے ان سے بمشکل بچ کر نکلتا ہے۔ تو آگے اور چار پانچ موٹروں سے سابقہ بڑتا ہے آخر ایک موٹر سے ٹکرا جاتا ہے اور ڈرائیور بہت عاجزی اپنی غلطی کی معافی مانگتا ہے۔ اور آگے بڑھ جاتا ہے۔ پیچھے سے دوسری گاڑی تیزی کے ساتھ قریب آجاتی ہے۔ اور وہ چونکا ہوا جاتا ہے غرض موجودہ زمانے میں موٹریں اس کثرت سے زمین پر چلتی ہیں کہ ایک آدمی کو تھوڑے سے فاصلہ پر بھی پیدل چلنا دشوار ہے۔ اسی طرح آئندہ پچاس برس کے بعد ہوائی جہاز آسمان پر نظر آئیں گے۔ اور وہیں پولس (کانٹریبل) بھی ہیں

حیرت انگیز طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ یعنی کوئی شخص بھی اپنے گھر کھانا کھانے کی تکلیف نہیں اٹھائے گا۔ ہو گا یہ کہ غذا کی گویاں بنالی جائیں گی اور وہ دوکانوں میں فروخت ہونگی جس کسی کو بھوک لگے وہ دوکان پر جائے اور رقم سوراخ میں ڈال دے وہ رقم خود بخود اندر چلی جائے گی۔ اس کے عوض غذا کی ٹیکیاں باہر نکل آئیں گی۔ اس کو کھاکر پانی پی لینے سے پیٹ بھر جائے گا۔

لوگ ہوائی جہاز کے ذریعے (Mach) جائیں گے جہاں آج تک کسی کی عقل بھی نہیں پہنچی۔ اور وہاں سے دنیا کو دیکھیں گے تو ان کو دنیا بالکل اٹلس کے نقشہ کی طرح نظر آئے گی۔ کچھ دن وہاں بسر کرنے کے بعد صحیح سلامت دنیا کو واپس آئیں گے۔

غرض ان سب چیزوں سے یہ ظاہر کیا گیا کہ پچاس برس بعد دنیا کی حالت بالکل بدل جائیگی اور وہ ترقی کے سب سے اونچے ذریعے پر پہنچ جائے گی۔

محمد بشیر الدین۔ راک لینڈ۔ سیف آباد

(حیدر آباد دکن)

پولس والے کا ایک چھوٹا سا جہاز ہو گا۔ جس کی لمبائی چوڑائی بہت ہی مختصر مثل غبارے کی ہوگی۔ جس طرح سے زمین پر اگر کوئی دوست راستہ میں دوسرے دوست سے دوچار ہوتا ہے۔ تو اپنی موٹر کو اس کی سواری سے ملا کر ضروری بات کر لیتا ہے۔ اسی طرح جب ہوائی جہاز کثرت سے ہوں گے تو ایک جہاز والا دوسرے کو رومال کا اشارہ کرے گا اور اور وہ اپنی جگہ رک جائے گا۔ یہ اس تک اپنی جہاز کو لے جائے گا اور روک دیگا۔ اور خود اپنی جہاز سے اتر کر دوسرے پر آسانی کے ساتھ پہنچ کر باتیں کرے گا۔ پانچ منٹ کے بعد پولس والے کی سیٹی ہوگی اور اس کے ساتھ ہی اس کو واپس ہونا پڑے گا۔ کیونکہ اتنی دیر دوسرے جہاز رُکے رہیں گے۔ جہاز اپنی لمبائی چوڑائی میں بہت کم ہوں گے۔ ایک مکان سے دوسرے مکان کو آسانی جاسکیں گے۔ اور اوپر سے سیدھے بھی اتر سکیں گے غرض جہازوں کی اس قدر دھوم دھام رہے گی کہ ایک موٹر بھی نظر نہیں آئے گی۔ اس کے ساتھ ہی کھانا کھانے میں بھی ایک

چینی کہانی

(۴)

ایک دن دو آن کھدائی کے کام میں مشغول تھا کہ یکایک کچھ دور سے عجیب سی آواز سنائی دی۔ وہ حیران رہ گیا کیونکہ یہ بات اس کے ذہن میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ دیوار کے اُس پار بھی کوئی جانور رہ سکتا ہے۔ غور سے سننے پر معلوم ہوا کہ واقعی کہیں کوئی جانور چھپا ہے۔ اور آواز سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زخمی ہے۔ دو آن کام چھوڑ کر رینگتا ہوا باہر نکلا اور اُن اور بازتاسے واقعہ بیان کیا اُن نے کہا شاید تمہیں کچھ وسم ہو گیا ہے۔ دو آن نے جواب دیا تمہیں یقین نہیں آتا تو میرے ساتھ آؤ اور غور سے سنو۔

اُن سورخ کے پاس گیا اور کان لگا کر سننے لگا۔ واقعی آواز آرہی تھی۔ پھر تو بازتاسو بھی نہ رہ گیا۔ وہ بھی دوڑ کے گیا اور دو آن کی تصدیق کی۔

تینوں نے دوفان۔ ویکے اور پاپو کو

جن کی عمر ان لوگوں سے کچھ زیادہ تھی، یہ واقعہ سنایا۔ اور کہا کہ وہ بھی جا کر دیکھیں۔ لیکن آواز اس وقت بند ہو گئی تھی۔ انھوں نے بہت دیر تک کان لگا کر آواز سننے کی کوشش کی مگر کچھ سنائی نہیں دیا۔ اس لئے وہ سمجھے کہ دو آن وغیرہ کے کانوں نے غلطی کی ہوگی۔ انھیں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ دو آن اور بازتا کھدائی کی محنت برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے انھوں نے یہ جھوٹی کہانی گھڑ لی ہے۔

دو آن نے پھر اپنی کھدائی کا کام جاری کر دیا۔ رات کے نو بجے پھر ویسی ہی آواز آنے لگی۔ اس مرتبہ وہ زیادہ زوردار اور دھشت ناک تھی۔ دو آن بھی سورخ کے قریب آ کر سننے لگا۔ اس کی تو ڈر کے مارے بری حالت ہو گئی اور غار کے اندر ہی چکر کھانے لگا۔

اس رات سبھی کی حالت خراب تھی۔ سب پر گھبراہٹ اور خوف طاری تھا۔ اور دھیان اسی طرف لگا ہوا تھا۔ سوتے میں بار بار چونک پڑتے تھے۔ غرض رات بڑی بے چینی اور پریشانی میں گزری۔ صبح ہوتے ہی سب سورخ کے قریب گئے۔ اس وقت پھر یہ آواز بند ہو گئی تھی

اس روز کوئی آواز نہیں سنائی دی، مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دیوار کے اندر جگہ خالی ہے۔ پیام بھائیو! اگر واقعی دیوار کے اندر کوئی اور غار ہے تو ان کی کتنی محنت بچ جائے گی۔ مگر معلوم نہیں وہاں تک پہنچ بھی پائیں گے یا نہیں، بہر حال آئندہ آپ کو معلوم ہو جائیگا (بدرالدین صاحب صینی - بی لے جاسد)

رشیم اور اس کے کیرے

(۲)



بہت عرصہ تک تو چین والوں نے اسے راز سمجھ کر چھپائے رکھا، لیکن کچھ دنوں بعد یہ جاپان والوں کو کسی طرح معلوم ہو گیا۔ اور پھر اس کے بعد اسے ہندوستان، یورپ اور امریکہ والوں نے سیکھا۔ اس کے متعلق بہت

دیکھے نہایت تنہس مکھ، زندہ دل اور باتونی لڑکا تھا۔ مگر آج اسے چب لگ گئی۔ تھی۔ اس کے دل پر دہشت بیٹھ گئی تھی اور چہرہ پر خوف چھایا ہوا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر باز تا اور دوفان کو فکر ہوئی کہ کہیں ڈسکی وجہ سے دیکے بیمار نہ پڑ جائے۔ انھوں نے طے کیا کہ غار کے آس پاس تلاش کیا جائے۔ شاید زخمی جانور کا پتہ لگ جائے اور لوگوں کے دل سے ڈر نکل جائے۔

اس مشورہ کے بعد دوفان اور باز تا غار سے باہر نکل آئے اور ادھر ادھر تلاش کرنے لگے۔ کبھی جھاڑیوں میں گھستے تھے، کبھی چٹان پر چڑھتے تھے۔ اور کبھی رختوں کے جھنڈ میں جاتے تھے۔ چلتے ایک طرف تھے مگر نگاہیں چاروں طرف دوڑتی تھیں۔ اس حالت میں آدھا دن گزر گیا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر دوفان نے اکتا کر کہا، بھائی! بس کرو۔ اب واپس چلنا چاہیے۔ باز تا بھی تھک گیا تھا۔ اس کو دونوں واپس چلے آئے۔ اور سب کو بتا دیا کہ کچھ نہیں ملا۔ چونکہ انھیں اپنا گودام بنانا تھا اس لئے گھدائی کا کام دوبارہ شروع کر دیا گیا

سے عجیب و غریب قصے مشہور ہیں کہ کس طرح ایک چینی شہزادی ریشم کے کیڑوں کے کچھ انڈے اور کچھ شہتوت کے بیج اپنے ڈوپٹے میں چرا کر ہندوستان لے آئی، یا کس طرح چینی سادھو اسے اپنے بانس کے کھوکھلے ڈنڈوں میں چھپا کر یورپ لے گئے۔ لیکن باوجود اس کے کہ آج فرانس، اٹلی، ہندوستان اور دنیا کے بہترے حصوں میں ریشم نکالا جاتا ہے اور ریشمیں کپڑے بنتے ہیں۔ لیکن ریشم کی پیداوار میں چین اب بھی اول نمبر ہے اور اس کے بعد جاپان کا درجہ ہے۔

چین کے کسان ریشم پیدا کرنے میں بڑے ماہر اور مشاق ہوتے ہیں۔ اور یہ ان کی کاروباری زندگی کا سب سے اہم مشغلہ ہوتا ہے۔ یہ حال جاپان کے کسانوں کا بھی ہے۔ ان کے پھوٹے پھوٹے بچے شہتوت کی پتیوں کے جمع کرنے اور ان پر ریشم کے کیڑے پھیلانے میں رات دن مصروف رہا کرتے ہیں۔

ہمارے ہندوستان میں ریشم کے کیڑے مشرقی بنگال یا کشمیر میں بہت پائے جاتے ہیں یہاں کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد اپنی گذر

اوقات اس پر کرتی ہے۔ دھاکہ اور مرشد آباد ریشم کی پیداوار کے لئے قدیم زمانے سے مشہور ہیں۔ اور تھوڑے عرصہ سے کشمیر کے پایہ تخت سری نگر میں بھی ایک بہت بڑا کارخانہ ریشم نکالنے کا ہے۔ ان جگہوں کے تمام اس پاس کے دیہات والے شہتوت کا درخت لگانے اور اسے محفوظ رکھنے میں لگے رہتے ہیں۔ جب

ریشم کے کیڑوں کا زمانہ آتا ہے۔ تو وہ شہتوت کے درختوں سے ڈایاں کاٹ کاٹ کر لے آتے ہیں اور انھیں ایک بند مکان میں اس طرح پھیلا کر رکھ دیتے ہیں کہ ایک دوسرے سے دب نہ جائیں۔ پھر ان ٹہنیوں پر ریشم کے نوزائیدہ چھوٹے چھوٹے کیڑے رکھ دیتے ہیں۔ جو ان پتیوں کو چاٹنا شروع کرتے ہیں۔ یہ اتنی بڑی تعداد میں ہوتے ہیں اور ایسی تیزی سے چاٹتے ہیں کہ وقت کے وقت ان کی چرچر مڑ کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ جب یہ کیڑے اپنی غذا کھا کر تیار ہو جاتے ہیں تو انھیں بانس کی کھپاچوں پر رکھ دیا جاتا ہے جہاں وہ ریشم تننا شروع کرتے ہیں۔ ریشم تننتے تننتے جب وہ اپنے کو اس میں بند کر لیتے ہیں تو یہ لگوں کہلاتا ہے۔ تھوڑی

وہ دربار میں بیٹھا تھا کہ ایک جاسوس آیا اور بادشاہ کی خدمت میں عرض کی کہ ہندوستان میں آج کل ایک بادشاہ حکومت کر رہا ہے اس کا نام جہانگیر ہے۔ یہ عیش پرست ہو، دن بھر شراب میں مست رہتا ہے، اگر حضور فوج لے کر اس پر حملہ کر دیں تو یقین ہے کہ شہنشاہ جہانگیر کو شکست نصیب ہوگی، اور حضور ضرور کامیاب ہوں گے۔ بادشاہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ مگر وزیر نے جو اس کی داہنی طرف بیٹھا تھا، عرض کیا حضور پہلے تحقیق کر لیجئے آیا یہ بات صحیح بھی ہے یا نہیں۔ ایسا نہ ہو جاسوس کے سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہو۔ وزیر کی بات بادشاہ کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور وزیر کو حکم دیا کہ ہندوستان جا کر وہاں کے صحیح حالات معلوم کرے اور اطلاع دے۔

وزیر نہایت شان و شوکت کے ساتھ ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ جب دہلی کے قریب پہنچا تو شہنشاہ ہندوستان جہاں گیر کو خبر کی گئی کہ شاہ ایران کی طرف سے ایک سفیر آیا ہے۔ بادشاہ سلامت نے حکم دیا کہ سفیر کو ایک شاندار محل میں ٹھہرایا جائے۔

سے بعد یہ ملکوں کی کجا جمع کر کے گرم پانی میں اے جاتے ہیں۔ جس سے نہ صرف اندر یڑے سب مر جاتے ہیں۔ بلکہ ریشم کے سے بھی پھول کر نکل آتے ہیں۔ اس کے بعد ہسرے کئی ایک ساتھ ملا کر ریلوں پر پیٹے لے ہیں۔ کئی ایک ساتھ ملا کر اس لئے کہ ایک بم کا تو شکل سے نظر آتا ہے۔ یہ باریک ریشم جو ہم دیکھتے ہیں بہت سے اصلی تاروں سے جاتا ہے۔ عرض یہی ریشم ہوتا ہے جو ان ملکوں کا جاتا ہے جہاں ریشمیں کپڑوں کے بننے کا بار ہوتا ہے۔ اور یہی کپڑے روزانہ ہم استعمال کرتے ہیں۔

(سید انصاری)

غلط فہمی

تین سو سال ہوئے ایران میں ایک بادشاہ ت کرتا تھا۔ رعایا خوش حال تھی۔ ملک میں امن اور بادشاہ کی خواہش تھی کہ دوسرے ملکوں کر کے اپنی سلطنت کو بڑھائے۔ ایک روز

شیر اس کا تلو چاٹنے لگے۔ اس وقت بادشاہ کے حکم سے اس موقع کی تصویر لی گئی۔
تھوڑی دیر کے بعد دربار برخاست ہوا۔ بادشاہ نے ایران کے سفیر کو خلعت اور انعام دے کر رخصت کیا۔

یہ سفیر جب ایران واپس آیا تو بادشاہ ایران کو تمام کیفیت سنائی اور وہ تصویر بھی دکھائی۔
ایران کے بادشاہ نے یہ حالت سنی تو بہت گھبرایا اور ہندوستان پر حملہ کا ارادہ ہمیشہ کے لئے ملتوی کر دیا +

(شیر احمد ترمذی - جلیہ سلم ہائی اسکول کا پرنسپل)

بادشاہ نے جنگل سے دو شیر پکڑوا کر منگوائے اور حکم دیا کہ ان کو پندرہ دن تک بھوکا رکھا جائے۔ پندرہ دن کے بعد جہانگیر نے ایک عام دربار کیا بہت سے امیروں اور مہاراجوں کو دعوت دی گئی۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو بادشاہ سلامت تخت پر بیٹھے۔ سامنے دونوں طرف شیروں کے کٹھرے رکھے گئے اور تخت کے دونوں کناروں پر گوشت کے دو بڑے بڑے ٹکڑے رکھ دیئے گئے۔ اسی وقت حکم ہوا کہ سفیر حاضر کیا جائے۔ جس وقت سفیر دربار میں آیا تو عجیب کیفیت دیکھی کہ بادشاہ بڑے اطمینان سے بیٹھا تھا لیکن درباریوں میں سے ہر ایک ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کٹھرے کو کھولا جائے۔

جس وقت شیر نکلے ہیں تو سفیر کا مارے ڈر کے برا حال ہو گیا، بہر حال شیر اپنے کٹھروں سے نکلے ہی ایک ہی گوشت کے ٹکڑے پر جھپٹے جہانگیر نے ایک شیر کے طمانچہ مارا اور کہا تیرا حصہ یہ ہے۔ اس پر دونوں الگ الگ ایک ایک ران کھانے لگے۔ جب گوشت کھا چکے تو بادشاہ نے اپنے دونوں پیروں پھیلا دیئے اور

اسلحہ زمانے میں جب بادشاہ کسی سے خوش ہوتا تھا تو اس کے مرتبے کے لائق اسے انعام اور ساتھ ہی بہت قیمتی لباس بھی دیتا تھا۔ یہ لباس نعمت کہلاتا تھا +

گنوار کی وصیت

ایک بادشاہ کے واسطے ایک حلوائی حلوے کا بھرا ہوا تھال پیش کرنے کے لئے ایک گنوار کے سر پر رکھوا کر لایا۔ اس تھال پر خوان پوش پڑا تھا۔ حلوائی نے تھال بادشاہ کے سامنے رکھ کر خوان پوش اٹھایا۔ حلوے پر گنگا جمنی ورق جئے اور ان پر باریک باریک پستے، بادام اور ناریل کے کترے ہوئے ٹکڑے اس خوب صورتی سے لگے تھے کہ بالکل جیل بوٹے معلوم ہوتے تھے۔ ان کو دیکھ کر گنوار کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور آنکھیں میچ کر بڑا سانوالہ اٹھا، منہ میں رکھ لیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ جو شخص اس حلوے میں سے لقمہ اٹھائے اس کی گردن مار دو۔ اور لوگ تو وہاں سے ہٹ گئے مگر گنوار کھڑا رہا۔ کبھی بادشاہ کو دیکھتا اور کبھی حلوے کے طباق کو۔ آخر اس سے نہ رہا گیا اور بادشاہ

سے عرض کرنے لگا۔ کہ میری وصیت یہ ہے کہ میرے گھر والوں کو بھی میرے بعد اسی طرح حلوا کھلوا یا جائے اور ان کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کیا جائے۔ یہ کہہ کر حلوا کھانے لگا اور یوں گنگنا نے لگا کہ :-

جان جائے کسی خرابی سے
ہاتھ اٹھا نہیں بکابی سے
بادشاہ اس کی وصیت اور اس حرکت پر
ہنس پڑا۔ اور حلوے کا تھال اسی کو بخش
دیا اور کچھ انعام بھی عطا کیا *
بیچواد

تباہ اسلام کا جید نصیحت

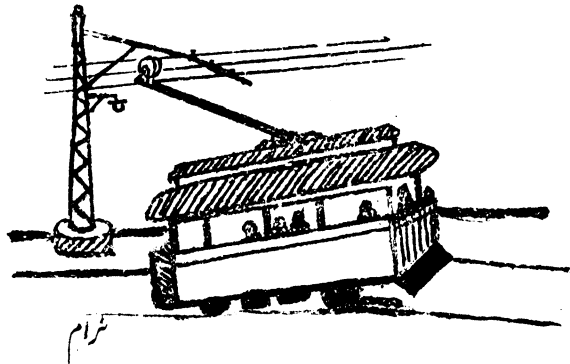
ہم اے نبی :- جماعت دوم - ۴
نبیوں کے قصے :- جماعت سوم - ۶
سرکارِ دو عالم :- جماعت چہارم - ۸
خلفائے اربعہ :- جماعت پنجم - ۱۰
نامورانِ اسلام :- جماعت ششم - زیر ترتیب

مکتبہ جہتِ نردول باغ دہلی

عقل

یہ نہ سمجھو، ہے کوئی ناچیز عقل
ورنہ وہ انسان نہیں حیوان ہے
عقل ہی سے دل نے پایا راستہ
عقل سے ہے آج یورپ نیک نام
اور اڑتے ہیں ہوا پر مثلِ باز
اور سوڑ بھی چلائی عقل نے
کیسی اچھی، ہلکی پھلکی سائیکل
بے سہارے ہو نہیں سکتی کھڑی
یا سنا ہے دوستوں سے اس کا نام؟

جانتے ہو تم کہ ہے کیا چیز عقل
عقل ہی سے آدمی انسان ہے
عقل دکھلاتی ہے اچھا راستہ
عقل ہی سائے بنا دیتی ہو کام
عقل سے پانی پہ چلتے ہیں جہاز
ریل دوڑائی زمین پر عقل نے
عقل ہی نے تو بنائی سائیکل
اس کے دو پھیوں میں پھرتی ہو بڑی
تم کبھی بیٹھے ہو، دیکھی ہے ٹرام؟

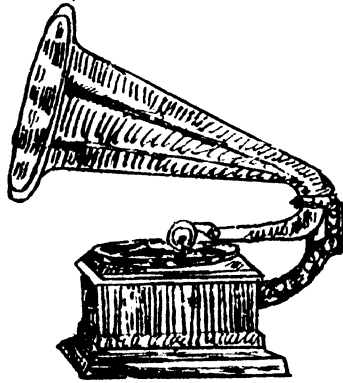


لے جانور سے مغرب کا ملک۔ سے ایک بڑی چڑیا کا نام +

ریل کا لمبا سا ڈبہ جیسے ہو،
بھاگتی ہے تو نہیں لگتا پتا
ہو گئی دم بھر میں نظروں سے ہٹا

روڑ ٹی پھرتی ہے بازاروں میں وہ
یل ہیں اس میں نہ گھوڑا ہے جتا
تی ابھی اس جا، ابھی پہنچی وہاں

تم نے دیکھا ہے گراموفون بھی؟ اس کا گانا بھی سنا ہے کیا کبھی



راگ اس کے ہیں مگر کیا خوش مرزہ
ان کا گانا گھر میں سن لو بیٹھ کر
اور اک جا دو ہے ٹیلیفون کا،
پر تمہارے دوست کا گھر دور ہے
اس کے گھر جانے کی بھی حاجت نہیں
ہو جو ٹیلیفون گھر میں دوست کے،
اور سادے گاتھیں اس کا پیام
ہم کو حاصل کس قدر آرام ہیں

یکھنے میں ہے وہ اک صندوقچہ
سور میں گانے والے جس قدر
کرشمہ ہے گراموفون کا،
ت کرنا گرتھیں منظور ہے
م کو کچھ تکلیف اور زحمت نہیں،
ت کر سکتے ہو ٹیلیفون سے
ہ سادے گاتھارا ہر کلام
قل ہی کے تو یہ سارے کام ہیں

روشنی کا شام کو کھلتا ہے باغ
 ہے کوئی جادو یہ بڑتی تار بھی
 دن نکل آیا ہے گویا ہر طرف
 پھر بہت آرام دہ بے حد مفید
 عقل ہی سے یہ ہر اک شے ہے بنی
 تب دماغ اس کا بہت دیتا ہے کام
 کھیل میں کھونا نہ تم دن اور رات
 تاکہ ہو دنیا میں تم بھی نیک نام
 پیٹ بھر لیتا ہے کتا بھی کہیں
 اس سے انساں کوئی اچھا کام لے
 ورنہ یہ جینا بھی ہے بے فائدہ

دیکھ ہوں گے تم نے بجلی کے چراغ
 گھر بھی روشن، شہر بھی، بازار بھی
 اس طرح پھیلا اجالا ہر طرف
 روشنی کیا صاف اور کیسی سفید
 ہے غرض یہ عقل ہی کی روشنی
 عقل سے انسان جب لیتا ہے کام
 یاد کھو بس یہ اک محسوس کی بات
 علم پڑھ کر عقل سے لینا ہے کام
 پیٹ بھر لینا کوئی شکل نہیں
 عقل دی ہے اس لئے اللہ نے
 جو وطن اور قوم کو دے فائدہ

عقل جس ملت سے رخصت ہو گئی
 اس کی عزت اور دولت کھو گئی

محمد حسین، نوحی صدیقی لکھنؤی

(اردو پیکر ار مد اس یونیورسٹی)



۷ فروری سنہ ۱۳۳۳ ع

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ہفت روزہ تعلیمی رسالہ

جلد ۱۴ نمبر ۳

فہرست مضامین

- | | | | |
|----|------------------|-------------------|----|
| ۱ | دو باتیں | اڈیشہ | ۳۳ |
| ۲ | آن حضرت | مولانا سعد انصاری | ۳۴ |
| ۳ | بادشاہ کی بہادری | مولانا مجوی صدیقی | ۳۵ |
| ۳ | عجائب خانہ سمندر | سید محمد عسکری | ۳۵ |
| ۵ | چینی کہانی | بدرالدین چینی | ۳۷ |
| ۶ | سیب مین موٹی | محمد یوسف متعام | ۳۹ |
| ۷ | حاتم کی سخاوت | محمد اسماعیل مدھا | ۴۱ |
| ۸ | تین دوست | رئیس احمد جعفری | ۴۳ |
| ۹ | ہارون کا انصاف | احسان اللہ خان | ۴۴ |
| ۱۰ | چاند کو دیکھ کر | جناب مجوی اکھنوی | ۴۸ |

Jamia Press.

ایڈیٹر: سعید انصاری

ہمیں امید ہے کہ یہ نظم بھی خاص طور پر پسند
لئے گی۔ اور وہ اسے مزے لے لے کے
پڑھیں گے۔

ہمارے مولانا کو پیام تعلیم سے خاص محبت
ہے اور انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنی
اچھی نظمیوں برابر پیام کے لئے لکھتے رہیں گے

کتنی پچھلے پرچہ میں ہم نے پیام تعلیم پڑھو
وے بھائیوں کو اس پرچہ کے لئے مضمون
لکھنے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ خوشی کی بات
ہے کہ پیام بھائیوں نے ہماری باتوں کی طرف
دھیان دینا شروع کر دیا ہے۔ اور مضمون
لئے لگے ہیں۔ مگر ابھی انھوں نے اتنی
توجہ نہیں کی ہے جتنی ہمیں امید تھی۔ ہم
چاہتے ہیں کہ پیام تعلیم میں بچوں کے مضمون
زیادہ چھپیں۔ اس لئے کہ یہ انھیں کا پرچہ
ہے اور انھیں کو اسے کامیاب بنانے میں
زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینی چاہئے *

دو دو باتیں

پچھلے چند نمبروں سے پیام تعلیم کے صفحوں
اور نمبر شمار وغیرہ میں غلطی ہو رہی ہے۔ خصوصاً
۴ جنوری کے پرچہ میں بہت بڑی غلطی ہو گئی
نئی جلد کے ساتھ صفحوں کے نئے نمبر شروع
نہیں کئے گئے بلکہ پچھلے سال کا سلسلہ باقی
رہ گیا۔ بچے اب اپنے اپنے پرچوں کے
صفحوں پر ایک سے ۱۶ تک نمبر ڈال لیں
۲۱ جنوری کے پرچہ میں نئی ترتیب کے
مطابق ۱۷ سے ۳۲ تک نمبر ڈال دیں گے

اس پرچہ میں ”چاند اور بجہ“ کی سرخی سو
ایک بڑی پیاری نظم چھپ رہی ہے۔ یہ
نظم ہمارے محترم مولانا محمد حسین صاحب مخوی
صدیقی لکھنوی لکچرار مدراس یونیورسٹی نے
خاص پیام تعلیم کے لئے لکھی ہے۔ مولانا کی
دو اور نظمیں پیام تعلیم میں ”عقل“ اور ”اچھا بچہ“
کی سرخیوں سے نکل چکی ہیں۔ پیام تعلیم کے پڑھو
وے بھائیوں نے انھیں ضرور پسند کیا ہوگا

آنحضرتؐ

(مولانا سعد الدین صاحب انصاری ہستناؤ جامد)

حضور کی عمر ابھی چند سال کی تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ دنیاسے کوچ کر گئیں۔ اور آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کو اپنی پرورش میں لے لیا۔ عبدالمطلب آپ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ چاہتے، اور بڑی عزت کرتے، اس لئے کہ وہ آپ کو صاف ستھرا، باادب، اور بہت اچھا دیکھتے تھے۔ جب کھانے کے لئے چلتے تو پیچا رہتے کہ ”محمد کو بلاؤ“ جب آپ آجاتے تو اپنے پاس بٹھاتے اور اکثر اپنی ران پر بٹھاتے اور اچھے سے اچھا کھلاتے۔

دادا کی نگاہوں میں آپ اتنے محبوب اور پیارے تھے کہ اپنی ایک خاص بیٹھنے کی جگہ پر جہاں اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ وہ آپ کو اپنے پاس بٹھاتے۔ ایک مرتبہ وہ اپنی اسی خاص جگہ نہایت قیمتی فرش پر تشریف رکھتے تھے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار فرش کو چھو کر کنارے بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں حضورؐ آگئے

اور اس فرش پر بیٹھ گئے۔ آپ اس وقت بہت بچے تھے۔ ایک آدمی نے فوراً آپ کو کھینچ لیا آپ رو دیئے۔ دادا کی نظر اس طرف نہ تھی۔ فوراً نظر کر کے بولے: ”میرے بچہ کو کیا ہوا؟ کیوں رو رہا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ فرش پر بیٹھنا چاہتا تھا اس لئے روک دیا۔ عبدالمطلب نے کہا: ”میرے لڑکے کو چھوڑ دو، وہ اس فرش پر بیٹھے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنا رتبہ اپنے آپ سمجھ رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ لڑکا وہ رتبہ حاصل کرے گا جو کسی عربی کو نہ پہلے ملا ہے اور نہ بعد میں ملے گا۔ اس کے بعد پھر کوئی آپ کی روک ٹوک نہ کرتا۔ خواہ عبدالمطلب موجود ہوتے یا نہ موجود ہوتے۔“

جب آپ کا سن تشریف آٹھ سال کا ہوا تو آپ کے دادا نے بھی دنیا سے رحلت فرمائی۔ رحلت کے وقت اپنے لڑکے ابوطالب کو یہ وصیت کی کہ وہ نہایت توجہ اور محبت سے آپ کی پرورش اور تربیت کریں۔ اس لئے کہ یہ ان کے باپ کا نہایت پیارا پوتا ہے۔

بہادری ہے اور یہی آدمی کے تمام خطروں کو دور کرتی ہے *

ایک بادشاہ کی بہادری

(مولوی محمد حسین صاحب نحوی صمدی لکھی)

شیر کا مارنا اور شکار کرنا بڑی بہادری اور خطرہ کا کام ہے۔ مگر مراکش کے بادشاہ ابوالعنان کے نزدیک شیر کا مار ڈالنا کوئی کمال ہی نہ تھا۔ یہ بڑا بہادر بادشاہ تھا۔ ایک دفعہ ایک وادی میں اس کا لشکر ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک زبردست شیر لشکر میں گھس آیا۔ بڑے بڑے بہادر سپاہی ڈر کے مارے ادھر ادھر چھپنے لگے اور سوار و پیادہ سب خوف کے مارے بھاگے بادشاہ کو یہ حال دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔ وہ بغیر کسی خوف و ہراس کے تنہا شیر کے مقابلہ کے لئے آگے آگیا اور شیر کی پیشانی پر اس زور سے نیزہ مارا کہ شیر منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور جان دیدی۔ اس پر تمام لشکر میں دھوم مچ گئی۔

پیارے بچو! اگر کسی وقت کوئی مشکل پیش آجائے تو انسان کو جھگانا اور گھبرانا نہ چاہئے۔ بلکہ نہایت استقلال سے اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ اس کا نام

عجائب خانہ سمنہ

(سید محمد عسکری صاحب)

جیلی فیش :- سی اینمون ہی کی قسم کا ایک اور دریائی جانور ہوتا ہے۔ اس کو جیلی فیش کہتے ہیں، اصولاً اس کا ذکر ان مچھلیوں کے بیان میں آنا چاہئے تھا۔ جن میں فطرت نے روشنی کا انتظام کیا ہے۔ جیسے تم اپنے گھروں میں انڈی کے تیل کے، مٹی کے تیل کے کول گیس کے یا بجلی کے چراغ روشن کرتے ہو کہ رات کے وقت اندھیرا نہ رہے۔ اسی طرح قدرت نے بعض جانوروں کو ہر قسم کے اندھیرے میں کام کرنے کے لئے ایسے ایسے چراغ مہیا کر دیے ہیں۔ کہ جب چاہیں تاریکی میں روشنی پیدا کر لیں۔ انھیں میں جیلی فیش بھی ہے۔ اندھیری رات میں دریا کے کنارے پانی میں غور سے دیکھو تو تمھیں چھوٹی چھوٹی روشن مشعلیں ادھر سے ادھر

پریوں سے ذرا بھی کم نہیں تو تم ان پریوں
نہیں غور کرتے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے
کہ تمہیں جھوٹے قصے کہانیوں کے سننے
اور اٹھیں یاد رکھنے کی اس قدر عادت ہو گئی
ہے کہ تم اپنے ارد گرد کی خوب صورت چیزوں
کو بھی دور سے دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔ تم میں
سے جو لوگ سمندر کے کنارے رہتے ہیں
یا جنہیں کبھی سمندر کو نزدیک سے دیکھنے کا
اتفاق ہوا۔ یہ انہوں نے جبلی فش کو ضرور
دیکھا ہو گا۔ مگر زری زبان میں جبلی لعابدار
نشاتے کی اسی چیز کو کہتے ہیں اور فش کے
معنی مچھلی کے ہیں، لہذا جبلی فش کے معنی
لعاب دار نشاتے کی ہی مچھلی کے ہوئے۔



ادھر سے ادھر آتی جاتی دکھائی دیں گی۔ کبھی
سرخ روشنی نظر آئے گی، کبھی سبز، کبھی زرد
کبھی چاندنی کی سی۔ ایسا معلوم ہو گا کہ نھی نھی
پریاں، رنگ بزمگ کی شعلیں ہاتھوں میں
لئے پانی کے اندر کے محلوں میں چلتی پھرتی
اور باغوں میں سیر کر رہی ہیں۔ کہانیوں
کے جھوٹے پرستانوں کا ذکر چھوڑ دو۔ آؤ
ان سچے پرستانوں کی سیر کرو۔ اور قدرت کے
ان تماثلوں کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش
کرو۔ ایک ایک چیز میں ایسی ایسی دلچسپیاں
نظر آئیں گی جن پریوں کی ہزاروں
دلچسپیاں شمار کر دی جائیں +

اگر تم کو کسی باغ میں کوئی پری پھول
پر بیٹھی ہوئی دکھائی دے تو تم ضرور کوشش
کرو گے کہ اس کے قریب جاؤ۔ اسے نزدیک
سے دیکھو، اس سے بات چیت کرو، پوچھو
کہ وہ ایک پھول سے دوسرے پھول پر
کیوں چھوکتی پھرتی ہے۔ تمہارے قریب
کیوں نہیں آتی۔ تمہارے ساتھ کیوں نہیں
کھیلتی۔ مگر جب تم ان حقیقی نھی نھی سمندری
ہستیوں کو دیکھتے ہو جو خوبی اور خوبصورتی میں

چینی کہانی

(جناب بدرالدین صاحبِ صنیعی نے لکھا ہے)

(۶)

سب نے کدال اور پھاوڑے ہاتھ میں لئے اور کھدائی کا کام شروع ہو گیا بارہ بجے مشکل سے انھوں نے دوفٹ کھودا ہو گا۔ مگر اب جو کدال پڑتی ہے تو گونج کی آواز آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اب باہر کی طرف سوراخ ہوا چاہتا ہے اس وقت کسی ناگہانی خطرے کے ڈر سے چھوٹے لڑکوں کو حکم دیا گیا کہ غار کے باہر چلے جائیں۔ دو فان، دیکے اور بازو اپنے اپنے ہتھیار لے کر تیار ہو گئے کہ دیوار ٹوٹنے کے بعد کوئی جانور نکل آئے تو اس کا مقابلہ کریں *

ٹن، ٹن، گھڑی نے دو بجائے اور دو آن کی کدال ایک پتھر پر پڑی۔ پتھر ایک طرف کو ہٹ گیا۔ اور ایک بڑا سا سوراخ ہو گیا۔ جس میں سے دوسری طرف

ہم نے گذشتہ فصل میں بیان کیا ہے کہ جب تم سے پانی میں بہتا ہوا دیکھو گے تو ایسا معلوم ہو گا کہ نشاستے کی بنی ہوئی ایک طشتری پانی میں تیر رہی ہے۔ جس کے بیچوں بیچ میں نشاستے کا ایک گولار کھا ہوا ہے۔ طشتری کے کنارے سے سینکڑوں باریک باریک بال ہر طرف پانی میں پھیلے ہوئے ہیں بعض جیلی فش بہت بڑی ہوتی ہیں، چنانچہ اسی قسم میں ایک ایسا بڑا دریائی جانور ہوتا ہے اگر ہاتھی کو نہایت آسانی سے شکار کر لے۔ ان کا ذکر بھی آئندہ مناسب مقام پر آئے گا۔ لیکن بعض جیلی فش ایسی چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں کہ تم پندرہ پندرہ بیس بیس اپنی مٹھی میں بند کر لو۔ مگر کہیں اس کو ہاتھ لگالنے کا ارادہ نہ کرنا۔ کیونکہ یہ بڑی زہریلی ہوتی ہے۔ عموماً طشتری اور چھوٹی چھوٹی رکابیوں کے ناپ کی جیلی فش بکثرت سمندروں میں پائی جاتی ہیں *

—————

ایک اور غار دکھائی دیتا تھا بس یہ دیکھتے ہی دو آن چلا اٹھا۔ وہ لوگوں کو بلانے کے لئے باہر آنے کو تھا کہ دوسرے غار میں سے ایک جانور اچھلا اور سوراخ میں سے کود کر اس طرف آ رہا۔ اس ناگہانی آفت سے سب کے حواس جاتے رہے۔ اور کھڑے کھڑے کانپنے لگے۔ پر جب ذرا گہری نگاہ ڈال کر دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ تو فوضین ہے۔ کوئی دوسرا جانور نہیں۔ اور سب کی جان میں جان آئی۔ فوضین کی پیاس سے بہت بری حالت تھی۔ بھاگا ہوا پانی کے برتن کے پاس گیا۔ پانی پی کر زرد دم آیا تو دم ہلاتا آہستہ آہستہ آئن کے پاس آیا۔ لڑکوں نے اس کے جسم کو ادھر ادھر سے دیکھا کہ کہیں کوئی زخم تو نہیں آگیا ہے۔ مگر وہ بالکل اچھی حالت میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد دو آن، بازتا، ویکے اور سو کو کو لے کر سوراخ کے راستے سے دوسری طرف گیا۔ اندھیرا بہت تھا اس لئے ہاتھوں میں موم بتیاں بھی بھینس لیں معلوم ہوا کہ واقعی ہم ایک غار میں جا رہے

ہیں۔ جس کی لمبائی پوڑائی پہلے غار کی برابر ہے۔ مگر بہت تلاش کرنے کے بعد بھی وہ یہ پتہ نہ چلا سکے کہ اس غار سے باہر کونسی کوئی راستہ ہے۔ انھیں تعجب تھا کہ آخر فوضین کس طرح اس میں داخل ہو گیا۔ چلتے چلتے دیکے نے کسی چیز سے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا دوسرے لڑکوں نے جھک کر موم بتی کی روشنی میں دیکھا تو ایک بھیڑیا مارا پڑا تھا اور اور سارے جسم پر زخم ہی زخم تھے۔ دو آن نے کہا اسے فوضین ہی نے مارا ہو گا۔ پہلے شبہ تھا مگر اب ہمیں یقین ہو گیا۔ شاباش فوضین، شاباش! مگر یہ اندر کیسے آگئے؟ لڑکوں نے چاروں طرف نظر دوڑائی مگر کہیں راستہ نظر نہ آیا تب دو آن نے کہا: میں باہر جاتا ہوں تم سب یہیں رہو۔ میں زور سے چیخوں گا اور تم غور سے سننا کہ میری آواز کی گونج کہیں سے سنائی دیتی ہے یا نہیں؟ یہ کہہ کر وہ باہر چلا آیا۔ اور زور سے چلایا۔ اندر کے لوگوں نے محسوس کیا کہ کہیں سے آواز سنائی دیتی ہے بہت غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ بالکل

اس سنسان اور ویران جزیرہ میں آباد ہو کر
اور ان غاروں کو اپنا گھر بنالیا اور پڑے آرام
اور اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے ۔

سیپ میں موتی کیسے بنتا ہے؟

(محمد یوسف صاحب مسلم جاسم)

(۲)



سیپ کو سمندر کی تہ سے بحال لانا کوئی کھیل
نہیں ہے۔ بڑے خطرے کا کام ہے اور
وہی لوگ اس کام کو کر سکتے ہیں جنہوں نے
اس کے سیکھنے میں برسیں گزار دی ہوں
یہاں ہم آپ کو بتائیں گے کہ لوگ کس طرح

زمین کے برابر ایک دیوار کے نیچے سوراخ
سا ہے ۔

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، فوہین
اور بھیڑ یا دونوں اسی راستے سے آئے ہونگے
سب نے ایک زبان ہو کر کہا: اگر یہیں
سے تھوڑا سا اور کھود لیا جائے تو دریا کے
کنارے تک آنے جانے کا راستہ نکل
آئے گا“

اس نئے غار کا پتہ چلنے کی سب کو
بڑی خوشی تھی۔ انہوں نے تھوڑی سی
اور محنت کر کے اس نالی کو جسے وہ ابھی
تک کھود رہے تھے اور چوڑا کر دیا۔ اس
طرح دونوں غاروں کے درمیان اچھا
خاصہ رستہ بن گیا۔ اس راستے کے ذریعہ گویا
دونوں غار جوڑ دیئے گئے ۔

اب انہوں نے اس غار کے کئی
حصے کر دیئے۔ کہیں پڑھنے کا کمرہ بنایا
کہیں کھانے کی جگہ بنائی۔ کہیں باورچی خانہ
کہیں گودام، کہیں غسل خانہ اور کہیں سونے
کی جگہ ۔

اس طریقے سے پیام بھائیو! یہ لڑکے

اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر سیپ نکالتے ہیں۔ سیلون اور ہندوستان وغیرہ میں ہر سال صرف پانچ اور اپریل میں سمندر سے سیپ نکالنے کی حکومت کی طرف سے اجازت ہوتی ہے۔ اس زمانے میں سیکڑوں کشتیاں غوطہ لگانے والوں کو لے کر ان مقامات کو جاتی ہیں جہاں سیپ بہت بڑی تعداد میں پائی جاتی ہے عام طور سے وہ سمندر کے کنارہ سے آدھی رات کو روانہ ہوتے ہیں۔ تاکہ صبح ہوتے ہوتے وہ ان جگہوں پر پہنچ جائیں۔ یہ کشتیاں اس مقام پر پہنچنے کے بعد ادھر ادھر پھیل جاتی ہیں اور اپنا کام شروع کر دیتی ہیں۔ سمندر میں ٹھستے وقت غوطہ لگانے والے سب سے پہلا کام یہ کرتے ہیں کہ اپنی ناک کے سوراخ سینک کے دو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے جو خاص اسی لئے بنائے جاتے ہیں، بند کر لیتے ہیں تاکہ غوطہ لگاتے وقت ناک میں پانی نہ چلا جائے۔ پھر خوب مضبوط رسی میں ایک بھاری سا پتھر باندھا جاتا ہے۔ غوطہ لگانے والا اس پتھر کو پکڑ کر غوطہ لگاتا ہے۔ کشتی والے، رسی کو ڈھیل دیتے ہیں اور غوطہ لگانے والا فوراً سمندر کی تہ میں پہنچ

جاتا ہے۔ یہاں وہ ایک منٹ تک رہتا ہے اتنی دیر میں جس قدر سیپ ملتی ہے اس کو وہ ایک جھولی میں رکھ لیتا ہے۔ پھر جب سانس پھولنے لگتی ہے فوراً رسی کو پکڑ کر ہلاتا ہے۔ اور کشتی والے رسی پھینچ لیتے ہیں۔ کبھی کبھی ان غوطہ لگانے والوں کو حادثے بھی پیش آ جاتے ہیں۔ سمندر کی ٹھیلیاں ان پر حملہ کر دیتی ہیں۔ اور ان کی جان پر بن جاتی ہے۔ اس مصیبت کو بچنے کے لئے وہ کیل کانٹے سے درست ہو کر غوطہ لگاتے ہیں اور اس وقت کوئی جانور ان پر حملہ کرتا ہے تو وہ ان ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ساتھ ہی رسی بھی ہلا دیتے ہیں اور کشتی والے فوراً انھیں اوپر پھینچ لیتے ہیں۔ بہت سے غوطہ لگانے والے صرف ایک ہی منٹ میں باہر نہیں آ جاتے۔ بلکہ بڑی دیر تک سمندر کی تہ میں ٹھہرے رہتے اور وہیں سانس لیتے رہتے ہیں۔ ان کے سروں پر لوہے کی ایک ٹوپی ہوتی ہے۔ جو گلے تک کے تمام حصوں کو اچھی طرح ڈھانک لیتی ہے۔ اس ٹوپی میں دو برہ کی نیکیاں بھی لگی رہتی ہیں، ان تینوں کا دوسرا سرا

کی بے شمار قسمیں ہیں +

حاتم کی سخاوت

(محمد اسماعیل مدعا صاحب سلم جاسو)

(۲)

ان میں یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ اتوں میں کچھ لوگ وہاں سے گذرے اور حاتم کو پہچان لیا۔ پھر کیا تھا اسی وقت پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے، بوڑھے کو بڑا فحش ہوا اور وہ بھی ان کے ساتھ چلنے لگا۔ جب بادشاہ کے سامنے پہنچے تو وہ حاتم کو دیکھ کر برا خوش ہوا اور پوچھا "اے کون پکڑ کر لایا ہے؟" ان میں سے ایک نے کہا کہ ایسے بہادری کے کام سولے سیرے اور کون کر سکتا ہے، دوسرے نے کہا کہ حضور میں بہت دنوں سے اس جنگل میں حاتم کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ آج اتفاق سے میری نظر ایک غار پر پڑی وہاں گیا تو ایک شخص پڑا سو رہا تھا۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ حاتم ہے۔ میں اسے پکڑ کر یہاں لے آیا۔ غرض کہ وہاں جتنے لوگ تھے ان میں

سمندر کے اوپر ہوتا ہے۔ کشتی ولے ان میں ہوا بھرتے بستے ہیں۔ اس ٹوپی کے سامنے ولے حصہ میں دو شیشے لگے ہوتے ہیں تاکہ غوطہ خور سیپ جمع کرتے وقت اچھی طرح دیکھ سکے +

سمندر سے نکالنے کے بعد سیپ ڈھیر بنا کر جمع کر دیتے ہیں۔ موتیوں کے تاجر اپنی تقیہ کے بھروسہ پر انھیں خرید لیتے ہیں۔ بعض ڈھیروں میں بہت اور اچھے موتی نکل آتے ہیں۔ بعض میں کم اور معمولی اور بعض میں کچھ بھی نہیں نکلتا۔ یہ گویا ایک قسم کا جوا ہے۔ اگر قسمت اچھی ہوئی تو بعض وقت ایک ڈھیر میں ہزاروں لاکھوں کے موتی نکل آتے ہیں اور کبھی ایک موتی بھی قیمتی نہیں نکلتا۔

سیپ کے ڈھیر خریدنے کے بعد سوداگر انھیں اپنے نوکرؤں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ وہ چاقو سے اس کا ڈھکن کھولتے ہیں اگر اس کے اندر موتی ہوا تو نکال لیتے ہیں ورنہ الگ رکھ دیتے ہیں۔ ہم یہ بتانا بھول گئے کہ سب سے قیمتی موتی وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا اور خوب صورت ہو۔ ویسے معمولی موتیوں

ادھر تو جھوٹے اپنے کئے کی سزا پا رہے تھے، ادھر بادشاہ اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا کہ وہ شخص جس کی ذات سے ساری دنیا کو فائدہ پہنچتا ہے اور جو محض لوگوں کے فائدے کے خیال سے نہ جان کی پرواہ کرتا ہو نہ مال کی، ایسے شخص کے ساتھ دشمنی رکھنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ میں حاتم سے زیادہ سخی ہوں، شرافت کے خلاف ہے۔ یہ سوچتے ہی بادشاہ آگے بڑھا اور حاتم سے کہا: "بے شک ساری دنیا کی سخاوت اور فیاضی تمہارے سامنے بیچ ہے۔ تمہارے مقابلے میں جو شخص بھی سخاوت و فیاضی کا دعویٰ کرے جھوٹا ہے۔" اس نے حاتم کا تمام ملک و دولت لوٹا دیا۔ اور قبیلہ طے کی سرداری دے کر بہت سی تعظیم و تکریم سے رخصت کیا اور بوڑھے کو بھی اعلان کے مطابق خزانے سے پانسو اشرفیاں دلوادیں وہ بھی خوش خوش دعائیں دیتا ہوا اپنے گھر روانہ ہوا۔

سہرا یک لالچ میں گرفتار تھا۔ لیکن بوڑھا ایک کونے میں خاموش کھڑے لوگوں کی جھوٹی باتیں سن رہا تھا۔ اور اس خیال سے رو رہا تھا کہ محض میری وجہ سے حاتم مارا جائے گا۔ آخر بادشاہ نے مجبور ہو کر حاتم سے پوچھا کہ اب تمہیں بتاؤ تمہیں کون پکڑ کر لایا ہے۔ حاتم نے بوڑھے کی طرف اشارہ کیا اور کہا اس بوڑھے کو انعام دیجئے، حقیقت میں یہی انعام کا حق ہے۔ اس پر نوقل کو بہت ہی تعجب ہوا۔ اور بوڑھے کو اپنے پاس بلا کر کہا: "سچ بیچ بتا واقعہ کیا ہے اور کس نے حاتم کو پکڑا؟" تب بوڑھے نے سچ بیچ تمام واقعہ کہہ سنایا۔ بادشاہ نے جب یہ سنا تو اس کی آنکھیں کھل گئیں اور بے اختیار پکار اٹھا "شاباش! حاتم تیری سخاوت کا اب یہ عالم ہے کہ اپنی جان کی بھی فکر نہیں رہی؟" اس کے بعد بادشاہ نے ان تمام جھوٹے دعویداروں کو سزا کا حکم دیا اور کہا کہ بجائے پانسو اشرفیوں کے ان سب کے سر پر پان پانسو جوتے لگائے جائیں تاکہ آئندہ کبھی کوئی شخص جھوٹ بولنے کی جرات نہ کرے۔

تین دوست

مغرب میں بھی مسلمانوں نے کئی سو برس تک بڑے بڑے ٹھاٹھ سے حکومت کی ہے اہاں مسلمانوں کی حکومت تھی اسے اُنڈلس کہتے تھے۔ اب اس کا نام بدل گیا ہے، آج کل کے نقشوں میں تلاش کرو تو وہ ”ہسپانیہ“ کے نام سے ملے گا۔

ایک دفعہ ایک جگہ تین دوست بیٹھے ہوئے آپس میں مزے مزے کی باتیں کر رہے تھے، کبھی کوئی اچھی بات ہوئی تو تہنقہ مار کے ہنسنے لگے،

ایک دوست نے کہا، کیوں دوستو! اگر میں بادشاہ ہو جاؤں تو تم لوگ مجھ سے کیا کہا مانگو گے؟ ابھی بتا دو تاکہ میں بادشاہ ہو کر جو کچھ تم کہو وہ تم کو بخش دوں،

دوسرے دوست نے ہاتھ باندھ کر ادب سے کہا، ”حضور، اگر آپ کو خدا بادشاہ بنا دے تو اپنے اس غلام کو نہ بھول جائیے گا، میں چاہتا

ہوں کہ جب آپ بادشاہ ہوں تو مجھے شہر کا بڑا قاضی بنادیں“

پہلے دوست نے، اگر طرہ جواب دیا، اچھا، بھاری یہ درخواست منظور، تم مطمئن رہو، جب میں بادشاہ ہوں گا تو تمہیں شہر کا بڑا قاضی بنا دوں گا۔

یہ کہہ کے وہ تیسرے دوست کو پوچھنے لگا، ”کہو تم کیا چاہتے ہو؟ کہو تو تمہیں وزیر بنادوں؟ کیا رائے ہے؟“

تیسرے دوست نے جواب دیا، ”کیا بکتا ہے بے، ہوش کی باتیں کر، بیٹھا ہوا بادشاہی کے خواب دیکھ رہا ہے، گدھا کہیں کا۔ سمجھتا ہے کہ بادشاہ ہو بھی گیا، ابھی پتھر رسید کروں گا تو تارے نظر آئے لگیں گے“

پہلے دوست نے کہا، ”دیکھو سوچ لو، اب بھی خیر ہے، بتا دو تم کیا چاہتے ہو؟“ تیسرے دوست نے جواب دیا، ”اچھا اگر تم بادشاہ ہو جانا تو مجھے ایک گدھے پر بٹھانا داڑھی مونچھ منڈوا دینا، منہ کالا کر دینا۔ اور شہر میں گھموا دینا“

پہلے دوست نے جواب دیا، ”یہی منظور“

کے قلاب ملائے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اتفاق سے ایک روز ایک سوداگر دربار میں آیا اس کے ساتھ ایک انی نوٹڈی تھی یہ بہت خوب صورت تھی اور دیکھنے میں خوشنما معلوم ہوئی تھی۔ وزیر دیکھ کر بہت خوش ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ یہ مینی کے دل کی کلی کھل جائیگی۔ وزیر کا لڑکا نور الدین بھی اس وقت باپ کے ساتھ بیٹھا تھا اس لڑکی کو دیکھتے ہی اس نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ میں شادی کر لوں گا تو اسی لڑکی سے کروں گا۔ لڑکی بھی راضی ہو گئی۔ وزیر کو یہ بات معلوم ہوئی تو اسے بڑی پریشانی ہوئی اور بیٹے سے کہا کہ مجھ سے بخت ہونے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ مینی سن لے گا تو مجھے وزارت سے نکال دے گا۔ نگرار لا دھرو اور لا تھی اپنے بیٹے کے مقابل میں اس نے حاکم کی پرواہ نہ کی اور نور الدین سے اس نوٹڈی کی شادی کر دی۔ بادشاہ جب کبھی اس نوٹڈی کی بابت پوچھتا تو وزیر کوئی بہانہ بنا کر ٹال دیتا مگر آخر مینی کو اس بات کی خبر ہو گئی اور اس نے نور الدین اور اس کی بیوی کو دربار میں بلا بھیجا۔ نور الدین کا ایک دوست اس وقت دربار میں موجود تھا وہ ڈر ہوا اس کے پاس گیا اور اس سے کہا بادشاہ نے تم دونوں میاں بیوی کو بلا یا ہے میں تجھتا ہوں اب تمہاری خیر نہیں۔ نور الدین یہ سن کر بہت ڈرا اور فوراً اپنی بیوی کو لے کر بغداد کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

تھوڑی دیر کے بعد یہ لوگ اپنے اپنے کام سے چلے گئے۔

خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد پہلا دوست بادشاہ ہو گیا، بات کا پتھا تھا، جو کہا وہ کر کے دکھا دیا۔

دوسرے دوست کو شہر کا سب سے بڑا قاضی بنا دیا اور تیسرے دوست کی داڑھی مونچھ منڈوائی، منہ کالا کر دیا، گدھے پر بٹھایا اور سارے شہر کی سیر کرادی +

ہاروں رشید کا انصاف

(احسان اللہ خاں صاحب معلم جامعہ)

ہاروں رشید مسلمانوں کا شہو خلیفہ بغداد میں قیامت کے تحت پر بیٹھا تو اپنے چچا زاد بھائی زینی کو بصرہ کا حاکم بنا کر بھیجا۔ تھوڑے دنوں بعد زینی نے اپنے وزیر سے کہا کہ وہ ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے جو بہت خوبصورت اور خوشنما ہو۔

وزیر نے ایسی لڑکی کی تلاش میں زمیں دھنا لے ایک شہر کا نام ہے جو اب تک آباد ہے۔

اتنے میں ایک مچھلی بیچنے والا کہیں سے آ نکلا اس نے فوراً مچھلی خرید لی اور جھونپڑی میں جا کر کہا۔ ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ دعوت کا انتظام کر رہے ہو اس لئے میں یہ ناچیز تحفے کر حاضر ہوا ہوں“ نور الدین نے کہا ”بہت اچھا خدا تمہارا بھلا کرے“ فقیر سلام کر کے نور الدین کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا ”مجھے اس لڑکی کا گانا بہت پسند ہے“ نور الدین کے اشارہ سے لڑکی نے گانا شروع کیا پھر کھلے کا وقت آ گیا۔ فقیر بھی کھانے میں شامل ہوا۔ باتوں باتوں میں نور الدین نے اپنی شادی اور سھر کا قصہ بھی بیان کر دیا۔ کھانا ختم ہونے پر نور الدین نے فقیر کو چھ ضیلت دی اور فقیر دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

فقیر (ماروں رشید) یہاں سے سیدھا اپنے محل کی طرف گیا فقیروں کا لباس آمارا اور دربار میں آیا۔ نور الدین اور اس کی بیوی کو فوراً دربار میں حاضر ہونے کا حکم ملا۔ زمینی درجہ زاد بھائی کو اس کے عہدہ سے برطرف کر دیا گیا۔ اور نور الدین اس کی جگہ بصرہ کا حاکم بنایا گیا۔

کچھ دنوں بعد دونوں بڑی مشکل سے گسٹے پڑتے بغداد پہنچے۔ پہلے کبھی وہ اس شہر میں نہیں آئے تھے اس لئے بے چاروں کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ کہاں ٹھہرنا چاہیے۔ آخر ایک باغ میں گھس گئے اور ایک گھنے سایہ کے درخت کے تلے پڑ کر سو گئے باغ کا رکھوالا آیا تو ان پر بہت خفا ہوا کہ کیوں بغیر اجازت کے باغ میں گھس آئے۔ انھوں نے معافی مانگی اور اپنی ساری مصیبت کی کہانی کہہ سنائی۔ رکھوالا ان کا قصہ محامد کر کے پسج گیا۔ اور اپنی جھونپڑی میں رہنے کی جگہ دے دی۔

نور الدین پر رکھوالے کی اس شرافت اور مہربانی کا بڑا اثر ہوا۔ اس نے کچھ سونا نکال کر اسے دیا اور کہا فلاں فلاں چیزیں بازار سے خرید لاؤ آج میں تمہاری دعوت کرنا چاہتا ہوں

باغ کا رکھوالا کھانے کی تیاری میں مشغول تھا ادھر نور الدین کی بیوی کی آواز بہت اچھی تھی اس نے گانا شروع کر دیا۔

اتفاق سے ماروں رشید فقیروں کے کپڑے پہنے ادھر سے گزر رہا تھا۔ اسے لڑکی کی آواز پسند آئی اور کسی طرح جھونپڑی کے اندر جا کر سننا چاہتا تھا۔



چاند کو دیکھ کر

(از محمد حسین، نحوی، صدیقی (مداس)

بچہ اپنی ماں سے پوچھتا ہے،

(۱)

یہ جو آسماں پر آتا سرِ شام جگمگاتا
چمک اپنی ہے دکھاتا مجھے دور سے بُلاتا
مرے دل کو ہے بُھاتا
یہ ہے کس کا چاند اماں

یہ جو روشنی ہے پھیلی یہ جو چاندنی ہے چمکی
اسی چاند کی تو ہوگی؟ یہ ہو کیسی پیاری پیاری
یہ ہے کیسی اچھی اچھی
یہ ہے کس کا چاند اماں

یہ جو گول ہے بڑا سا یہ جو روز ہے چمکتا
یہ ہر اک جگہ اُجالا ہے زمیں پہ جس کا پھیلا
یہ ہے کس کا پیارا بیٹا

یہ ہے کس کا چاند اماں

یہ ہے سوہنی جو سوت یہ چمک دمک یہ رنگت
یہ ہے کیسا خوبصورت مجھے اس سے ہے محبت
مجھے اسکی ہے ضرورت
یہ ہے کس کا چاند اماں

جو دکھا رہا ہے آکر ہمیں شام سے برابر
چمک اپنی آسماں پر ہو اُجالا جس کا گھر گھر
یہ جو اُڑ رہا ہے بے پر
یہ ہے کس کا چاند اماں

یہ کدھر کو جا رہا ہے یہ کہاں سے آ رہا ہے

نہ کسی سے بوتا یہ نہ زبان کھولتا یہ
اسے کس طرح بلاؤں اسے تم سے کیا ملاؤں
اسے کیسے پاس لاؤں
مرا چاند یہ نہیں ہے

یہ وہ کام کر رہا ہے جو بے دیا گیا ہے
کبھی جی نہیں چراتا کبھی منہ نہیں چھپاتا
نہ یہ وقت کو گنواتا
مرا چاند یہ نہیں ہے

میں بتاؤں تم کو بیٹا یہی کام ہے بس اس کا
کہ یہ روز روز آ کر سر شام آ سماں پر
ہے یوں ہی روشن اکثر
مرا چاند یہ نہیں ہے

یہ لگائے ایسا پھیرا نہ رہے کہیں اندھیرا
یوں ہی روز جگ لگاؤ یوں ہی روز آؤ بجائے
یوں ہی روشنی دکھائے
مرا چاند یہ نہیں ہے

وہ سماں دکھا رہا ہے وہ ادا بتا رہا ہے
کہ مجھے ہنسار ہے
یہ ہے کس کا چاند اماں

یہ جو اسقدر حسین ہے کہ اُجالا ہر کہیں ہے
یہ وہاں ہے یا یہیں ہے کہ سفید یہ زمیں ہے
یہ تمھارا تو نہیں ہے؟
یہ ہے کس کا چاند اماں

مجھے تم یہ چاند لا دو مجھے پاس دو دکھا دو
مجھے اس کو تم ملا دو مے پاس اس کو بلا دو
یہ نہیں، تو پھر بتا دو
یہ ہے کس کا چاند اماں

(۲)

ماں کا جواب

(۲)

میں بتاؤں تم کو پیکر مری جاں مے ڈلاؤں
یہ چاند آ سماں کا۔ یہ خدا نے ہے بنایا
یہ نہیں زمیں پہ آتا
مرا چاند یہ نہیں ہے

۳

مال کا چاند

(۳)

مرا چاند یہ نہیں ہے مرا چاند تو یہیں ہے
مرا چاند اس سے بہتر مرا چاند اس سے بڑھ کر
میں بناؤں تم کو بیٹا کہ ہے میرا چاند کیسا
مرا چاند ہی کہاں پر مرا چاند دل کے اندر
مرا چاند میرے گھر میں مری آنکھیں، نظر میں
مرے گھر کا وہ اُجالا اسے میں دل میں پالا
مرا چاند بیتا، کھاتا مرا چاند آتما جاتا
مرا چاند چلتا پھرتا وہ ہے سیر کو نکلتا
مرا چاند سیر کرتا مرا چاند ہی سنوڑتا
مرا چاند مسکراتا مرا چاند کھل کھلاتا

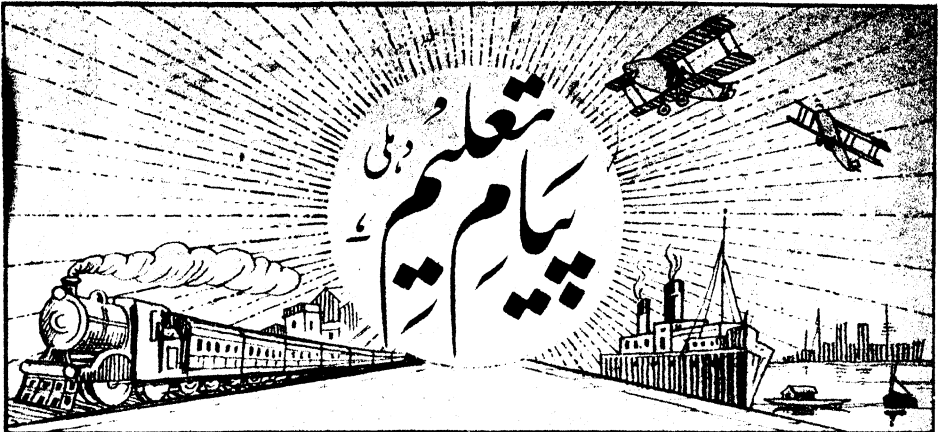
کبھی پیاری باتیں کرتا کبھی خوش کبھی بھرتا
کبھی جھوٹا ہے جھوٹا کبھی خوش کبھی ہی بھولا
جو ہو خوش تو گیت گائے ہو خفا تو منہ پھلائے
کبھی میرے پاس لیٹا مرا چاند، میرا بیٹا
کبھی میری گود میں رکھتا کبھی "اُن" کی گود میں رکھتا
مے پایہ نہ تھے، نہ کچے یہ بتاؤ تم بھی سمجھے؟
وہ ہے کون چاند میرا کہ جس کا یہ اُجالا

بچہ: نہ بناؤ باتیں اتنی مجھے دو جواب جلدی
مجھے جھوٹ بتاؤ اماں نہ مجھے ستاؤ اماں
کہ وہ چاند کون سا ہے وہ کہاں ہے، کیا پتہ ہے

مال: نہ بتاؤنگی میں کوئی تمہیں سمجھو اور بوجھو

بچہ: مری اچھی اچھی ماں میں سمجھ گیا ہوں ہاں ہاں
وہ دُلا رچا نہ میں ہوں وہ تمہارا چاند نہیں ہوں
مرا چاند کون ہو گا؟
مرے چاند میرے آبا

کبھی میرے پاس سوتا کبھی "اُن" کے پاس ہوتا
کبھی مجھ سے جھوم جاتا مرے گال چوم جاتا
کبھی مجھ سے روٹھ جاتا کبھی خود مجھے مناتا



۲۱ فروری سنہ ۳۳ ع

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

جلد ۱۴ نمبر ۴

فہرست مضامین

۴۹	سید نیاز احمد	۱	ہنر سیکھو
۵۰		۲	عید کا تحفہ
۵۰	مولانا مجوی لکھنوی	۳	سلطان با یزید
۵۱	سید محمد عسکری	۴	عجائب خانہ سمندر
۵۳	حبیبو	۵	انوکھی بانیں
۵۴	اشرف	۶	ولیم ہرشل
۵۶	محمد حسین حسان	۷	خلیفہ مامون
۵۷	سید ابوظاھر داؤد	۸	آنکھیں مانتے پرہیز
۵۹	الفت انوری	۹	اللہ کی مرضی
۶۱	فائر نارسہ	۱۰	جادو کا امپ
۶۳	ایڈیٹار	۱۱	دو دو باتیں

Jamia Press

ایڈیٹر: سعید انصاری

بچوں کا قاعدہ

بچوں کو اردو کا قاعدہ پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

(۱) کام کس طرح شروع کریں کچھ ابتدائی کام کو ماقبل سے مطابق دیکھئے۔

(۲) حروف علت کا استعمال۔

(۳) ہم آواز حروف کی مشکلات۔

(۴) کام کو آخر تک دلچسپ رکھنا۔

جناب مولوی عبدالغفار صاحب نگران تعلیمی مرکز نمبر (۱) آج چھ سال سے صرف اوّل جماعت کے بچوں کو اردو پڑھا رہے ہیں۔ ان بچوں کی تعلیم میں ہمارا نامہ رکھتے ہیں، موصوف نے مندرجہ بالا دشواریوں کو سامنے رکھتے ہوئے بچوں کا قاعدہ لکھا ہے۔ یہ قاعدہ جامعہ ملیہ میں دو سال کے تجربہ کے بعد اب شائع ہوا ہے قیمت ہر

دوسرے قاعدہ

”بچوں کا قاعدہ“ پڑانے میں جس ترتیب سے کام لیا گیا ہے، وہ سب اس میں درج ہے۔ ایک معلم جسے بچوں کی تعلیم سے دلچسپی ہو، رہنمائے قاعدہ کا مطالعہ سے بہت مفید ثابت ہوگا۔ قیمت ۲/۰

مکتبہ جامعہ قرطبہ دہلی



خدا کی بھروسہ میں افضل ہو نہ ہر سیکھو نہ سیکھو
تم اک جاہل کہ اہل ہو نہ سیکھو نہ سیکھو
کبھی غمگین نہ بے گل ہو نہ سیکھو نہ سیکھو
ہو بد صورت کہ اہل ہو نہ سیکھو نہ سیکھو
نہیں ممکن وہ زبل ہو نہ سیکھو نہ سیکھو
ہرے ہند حل قتل ہو نہ سیکھو نہ سیکھو
تو پھر جنگل میں منگل ہو نہ سیکھو نہ سیکھو
تمہارے داؤ پر کل ہو نہ سیکھو نہ سیکھو
نہ تم وحشی نہ پاگل ہو نہ سیکھو نہ سیکھو

پڑھو جو کچھ مکمل ہو ، ہر سیکھو نہ سیکھو
اگر ممکن نہ ہو پڑھنا تو پھر بھی سہل ہی پڑھنا
بزرگوں کا کسانو عزیز و اذیت بچاؤ
یہ دنیا ہے یہاں فخر نسب کیا کام آتا ہے
یہاں صنعت گری جس قوم نے لی انہی کا ٹھکانہ
نہاں قوم کے تھلے بھروسہ نہ رہیں بنو نالے
جہاں ٹھوڑے ٹھکانے ہوں تھلے کا بنائے ہوں
کہ وہ پھرتی ، رکھو حسی ، رہے دھل کر کشتی
پر لے دیں لوں کو ذرا دیکھو : ذرا جانچو

ابھی جو وقت باقی ہے اسد وہ اتنا فی کر
خدا جانے کہ کیا کل ہو نہ سیکھو نہ سیکھو

سید نیاز احمد رحیمی اسد فردوسی

آرہ

عید کا تحفہ

بجلی عید کے موقع پر ہم نے پیام بھائیوں کی خدمت میں عید کارڈ اور ایک ننھی سی خوب صورت کتاب دیانت بھیجی تھی۔ یہ ڈراما ہماری جامعہ کے پرنسپل جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی نے لکھا ہے تھوڑے دن ہوئے جامعہ کے چھوٹے بچوں کی طرف سے یہ ڈراما کھیلا بھی گیا تھا اور بہت پسند کیا گیا تھا۔ ہمیں اُمید ہے کہ پیام بھائیوں نے بھی ہمارے اس تحفہ کو پسند کیا ہوگا۔

ہم پیام تعلیم کو بہتر بنانے اور پیام بھائیوں کی کوشش کا سامان فراہم کرنے کے لئے اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر ہماری یہ کوششیں اُسی وقت کامیاب ہو سکتی ہیں کہ پیام تعلیم پڑھنے والے بھائی ہماری مدد کریں۔ ان کوششوں میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ اس طرح پیام تعلیم سے اپنی سچی محبت کا ثبوت دیں۔

سلطان بازید کی چٹھی

مولانا محوی لکھنوی

سلطان بازید ترکوں کا بڑا زبردست اور منصف بادشاہ گذرا ہے اس کے زمانے میں مولانا شمس الدین رومی ایک بڑے بزرگ عالم شاہی عدالت کے حاکم اور جج تھے۔ اتفاق سے اُن کے یہاں ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا جس میں خود بادشاہ سلامت گواہ تھے۔

مولانا رومی شریعت کے یکے اور سخت پابند تھے اور بادشاہ سلامت کبھی کبھی نماز عمت کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے چنانچہ جب مقدمہ پیش ہوا تو مولانا نے بادشاہ کی گواہی ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ بادشاہ سلامت کو غصہ نہ آیا بلکہ وہ یہ سوچنے لگے کہ آخر عدالت میری گواہی کیوں نہیں مانتی۔ کوئی وجہ سلطان کی سمجھ میں نہ آئی آخر اس نے جج صاحب سے سببِ یافت کیا۔

مولانا نے نہایت آزادی سے عدالت ہی میں جواب دیا کہ سلطان نماز میں جماعت کے پابند نہیں ہیں اُن کی گواہی نہیں مان سکتا کیوں کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہیں ادا کرتا اس کی گواہی اعتبار کو قابل نہیں ہے۔

بادشاہ سلامت مولانا کی اس بے خوفی اور سچائی پر بہت خوش ہوئے اور اُس روز سے نہایت مستعدی کے ساتھ جماعت کی پابندی فرمانے لگے۔ اور یوں اپنے حج کی بات رکھ لی۔ سلطان کو نماز تھا کہ ہماری حکومت کے حج ایسے ایاں دار اور انصاف کے دہنی ہیں کہ حق بات کے آگے بادشاہ کی بھی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔

عجائب خانہِ سمند



جب سمندر کی موجیں انھیں کنارے پر لا کر پھینک دیتی ہیں تو تھوڑی دیر میں اُن

کے جسم کا پانی سوکھ جاتا ہے اور وہ مرجاتی ہیں اور لکیروں کے سوا ان کے جسم کی کوئی اور علامت باقی نہیں رہتی مگر سمندروں میں تو یہی نشاۃ کی تشری ایک خوفناک شکاری جانور کی حیثیت رکھتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں اور اسی قسم کے دوسرے جانور اس کا شکار ہیں۔ ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس کے جسم کے کنارے سے سینکڑوں باریک باریک بال پانی میں لہراتے رہتے ہیں ان بالوں کی حرکت سے جلی فش تھوڑی تھوڑی دور ادھر سے اُدھر تک تیز بھی سکتی ہے۔ گو یہ بال خود بہت باریک ہیں مگر ان میں نہایت چھوٹے چھوٹے سوراخ بنے ہوئے ہیں اور ہر سوراخ میں ایسے چھوٹے چھوٹے زہریلے ڈنگ چھپے ہوتے ہیں کہ بغیر خوردبین کی مدد کے دکھائی ہی نہیں دیتے۔ جو ہی کوئی جانور جلی فش کے جسم سے چھو جاتا ہے یہ ہزاروں زہریلے ڈنگ تیروں کی طرح اُس کے جسم میں تیر جاتے اور تھوڑی دیر میں اُس کا خاتمہ کر دیتے ہیں بعض جلی کا زہر اس درجہ خطرناک ہوتا ہے کہ انسان کی ہلاکت کا باعث ہو سکتا ہے۔ عموماً یہ بڑے

قسم کی جیلی فش ہوتی ہے اور ان کا رنگ جزی ہوتا ہے، اپنے شکار کو مار لینے کے بعد جیلی فش تیرتی ہوئی اس پر آ جاتی ہے اور اس کے اپنے منہ میں لے لیتی ہے۔ اس کا منہ بالکل اس کے پیٹ کے سیچے ہوتا ہے اور اس لئے غذا اس کے پیٹ میں باسانی داخل ہو سکتی ہے۔

۴۔ اسپنج کے عجائبات

سمندر کا ایک اور نباتاتی حیوان اسپنج ہے، وہی اسپنج جس سے بچوں کو نہلاتے اور ان کے ہاتھ پاؤں دھلاتے ہیں اور تم جس سے اپنی سیٹ صاف کیا کرتے ہو ایک زمانہ تک دنیا اس اسپنج کو سمندری پودا سمجھتی رہی، اس کی وضع اور قطع بھی پودوں کی سی اس قدر ملتی جلتی ہے کہ اب بھی اس کے جانور ہونے کا تم مشکل سے یقین کر سکتے ہو، مگر عجائبات سمندر میں یہ جانور بھی ایک اعجوبہ ہے۔ اسپنج سمندر کے ان جانوروں میں سے ہے جنہیں قدرت نے آنکھ ناک کان، ہاتھ، پاؤں، منہ، ہڈی، گڈی غرض ہر شے سے محروم رکھا ہے جیسا کہ جیلی فش

کے بیان میں لکھا گیا ہے۔ ان کا جسم بھی بالکل نشاستے کا سا ہوتا ہے اور تقریباً یہ جانور جو وضع چاہیں اختیار کر لے سکتے ہیں۔ پانی کو تم گلاس میں ڈالو وہ گلاس کی وضع کا ہو جائے گا، صراحی میں رکھو صراحی کا سا بنا رہے گا، شیشے میں ڈالو شیشے کی شکل اختیار کر لے گا۔ یہی حالت بعینہ ان جانوروں کے جسم کی ہے جب تم ان کو پانی میں تیرتا دیکھو تو یہ سمجھو گے کہ فالودے کے رنگ برنگی ٹکڑے تیر رہے ہیں مگر یقین جانو فالودے کے یہ ٹکڑے بھی جان رکھتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتر ہیں، چلتے ہیں، پھرتے ہیں اور ان کے جسموں میں فیڈر ہوتے ہیں جو آنکھ اور ہاتھ کا کام دیتے ہیں، مگر کھانا کھانے کے لئے منہ نہیں رکھتے بلکہ اپنی غذا پر تیرتے ہوئے آتے ہیں اور اسے اپنے میں لے لیتے ہیں اس جانور سے زیادہ بے جان چیز شاید ہی کوئی نظر آئے مگر یہ بھی پیدا ہوتا ہے، بڑا ہوتا ہے اور مرتا ہے۔

سید محمد عسکری جعفری

انوکھی باتیں

’جواد‘

ایک منھیار نے بازار سے چڑیاں خرید کر اپنے ٹوکڑے میں رکھیں۔ اور مزدور کی تلاش میں گیا۔ راستہ میں ایک مزدور نظر پڑا منھیار نے اس سے کہا ”چڑیوں کے ٹوکڑے کو میرے گھر بیچانے کی کیا مزدوری لوگے؟“ مزدور نے تین آنے مانگے۔ منھیار بولا کہ تین آنے میں تو تیری ایک وقت کی گزری نہیں ہو سکتی۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے ایسی انوکھی باتیں بتاؤں جن سے تیری ساری عمر آرام و سکون سے گزر جائے۔

مزدور راضی ہو گیا اور اٹھا کر چل پڑا۔ تھوڑی دور چل کر مزدور نے کہا وعدہ کئے مطابق کوئی بات بتاؤ۔ منھیار نے جواب دیا ”اگر تجھ سے کوئی یہ کہے کہ گزرا ہوا وقت واپس آجاتا ہے تو اسے جھوٹ جان۔“ مزدور نے کہا ”بالکل ٹھیک“

جب آدھا راستہ طے کر لیا تو پھر مزدور

نے دوسری بات پوچھی منھیار نے کہا اگر کوئی تجھے یقین دلائے کہ پیدل چلنا سواری پر جانے سے بہتر ہے تو اس پر یقین مت لیجھو۔ مزدور نے کہا ”درست ہے۔“

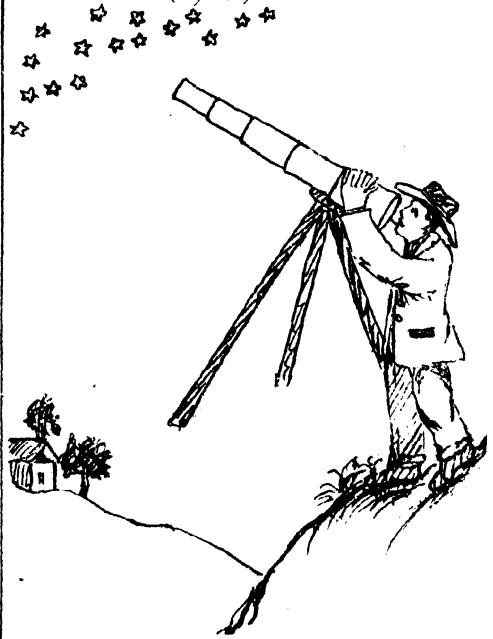
جب منھیار کا گھر آ گیا تو مزدور نے تیری بات پوچھی منھیار نے کہا ”اگر کوئی آدمی تجھ سے یہ کہے کہ میں نے تجھ سے زیادہ بے وقوف کوئی آدمی دیکھا ہے تو اس کی اس بات کو غلط جان یہ سن کر مزدور نے چڑیوں کا ٹوکڑا اپنی پوری طاقت سے اس کی دیوار سے دے مارا اور کہا اگر کوئی تجھ سے کہے کہ تیرے ٹوکڑے میں کوئی چوڑی سالم رہ گئی ہے تو کبھی بھی اس کی بات کا اعتبار نہ کیجھو۔ اور یہ کہہ کر رنوحہ کر ہو گیا۔

نمبر خریداری

اگر یاد نہ ہو تو ممبرانی فزاکریٹہ کی چٹ پر ملاحظہ کریں۔ کتب خانہ کتابتیں نمبر کے حوالہ سے بڑی سہولت ہو جاتی ہے ورنہ بسا اوقات جواب دینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ براہ کرم اسے نہ بھولیں

ولیم ہرشل

(ترجمہ اشرف)



نوکر تھا۔ اور اسی وجہ سے اس نے اپنے بچپن میں سوائے گانے کے اور کچھ نہیں سنا۔ اس کے باپ کی تنخواہ بہت کم تھی اور ہا کنبہ کافی بڑا تھا۔ اس لئے اکثر دونوں وقت کھا بھی نہ ملتا تھا۔ اس کے باپ کو گانے سے بہت دلچسپی تھی نوکری سے واپس آنے کے بعد وہ اپنے بچوں کو جمع کر کے گانا سکھایا کرتا تھا۔ یہ سن کر تعجب ہو گا کہ وہ شخص جو ستاروں کے علم کا ماہر ہونے والا تھا بہت ہی کم عمر میں ایک اچھا گانے والا ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ کسی بات کو بغیر بحث کئے اور سمجھ نہیں مانتا تھا۔

کبھی کبھی وہ اپنی بہن کے ساتھ شرب پر بیٹھ کر ستاروں کو بہت غور سے دیکھتا تھا لیکن ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ ولیم بھی باپ کی طرح گانے کی نوکری کرے گا۔

چونکہ وہ بہت غریب تھا اس لئے ولیم کو جلد ہی ہی قومی بینڈ میں نوکر کر دیا۔ وہ چار سال تک فوج میں رہا اور اس کے بعد تندرستی خراب ہو جانے کی وجہ سے نوکری چھوڑ کر انگلینڈ چلا گیا وہ گھر کی دوری اور تنہائی سے ذرا بھی

جن لوگوں کو ستاروں سے دلچسپی ہو وہ ولیم ہرشل کو بخوبی واقف ہونگے اس نے جتنے ستارے معلوم کئے اس نسل میں حقیقی کوشش اور محنت کی ہے۔ اس کا بیان نہایت دلچسپ ہے۔ ولیم ہرشل ۱۷۳۱ء میں جرمنی کے ایک قصبہ میں پیدا ہوا اس کا باپ فوج کے بینڈ میں

لے فوج میں جو باہر بکایا جاتا ہے۔ اسی فوجی بینڈ کئے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ لڑائی کے وقت سپاہیوں کو جوش دلایا جائے۔

بھی پریشان نہ ہوا اس لئے کہ وہ بہت اچھا گانا اور بجانا جانتا تھا۔ انگریزی بہت تیز بولتا تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ ہر صیبت خوشی سے برداشت کرنے کے لئے طیار تھا۔ دو تین سال تک تو اس نے در بدر گاکر ہی اپنی زندگی گذاری لیکن اس کے بعد ڈاکٹر ملر نے اُسے نوکر رکھ لیا۔ اور اسی عرصہ میں اس نے موسیقی پر دو تین مختصر کتابیں لکھیں۔ اس کے بعد وہ ہاتھ چلا گیا۔ یہاں سے اس کی وہ زندگی شروع ہوتی ہے کہ جس کی بدولت آج تک اس کا نام زندہ ہے۔

سب سے پہلے اس نے وہیں ستاروں پر ایک کتاب لکھی اس کتاب سے اُسے اس قدر دلچسپی پیدا ہوئی کہ دوسرے کاموں سے ذرا بھی فرصت ملتی تو اسے لے کر بیٹھ جاتا۔ اس نے نہایت محنت سے کتاب کو دو تین مرتبہ دوہرایا۔ ستاروں کا حال کچھ اس قدر دلچسپ معلوم ہوا کہ اس نے اپنے طور پر آسمان پر دیکھنے اور ستارے معلوم کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کے لئے ضروری تھا کہ ایک عمدہ دوربین بھی ہو۔ اس کے پاس نہ تو اتنا روپیہ

تھا کہ ایک عمدہ دوربین خرید سکتا اور نہ وہ سانس اس قدر جانتا تھا کہ خود بنا لیتا۔ مگر تھا ارادہ کا پکا۔ اس نے اس علم کو سمجھنے کے لئے دوسرا علم یعنی حساب لکھنا شروع کیا۔ تھوڑی مہارت کے بعد شیوں کو گھننے کا کام شروع ہوا۔

تقریباً پندرہ شیشے خراب کرنے کے بعد آخر دوربین کے شیشے تیار ہو گئے۔ ولیم کی یہی محنت اور ناکامی سے مایوس نہ ہونا یہی خوبیاں تھیں جو بہت جلد اسے کامیاب کر سکیں ستاروں سے اُسے اس قدر دلچسپی پیدا ہو گئی تھی کہ دوربین کی طیاری میں بہت زیادہ وقت صرف کرنے لگا۔ اور بہت سے لوگوں کو گانا سکھانا موقوف کر دیا۔ اس عرصہ میں اس کی بہن کمروا بن بھی اس کے پاس آگئی تھی۔ اس نے بھی اس کام میں بہت دلچسپی ظاہر کی اور تمام عمر اس کی کوششوں میں مدد کر لی رہی اور اس کے مرنے کے بعد اس نے جو کام ادھورا چھوڑا تھا اُسے پورا کیا۔ اس نے خود بھی آٹھ ستارے معلوم کئے ہیں۔ ولیم کو اس کام سے اس قدر دلچسپی

پیدا ہو گئی تھی کہ کبھی کبھی تو کھانے پینے کی
سدھ بدھ بھی نہیں رہتی تھی۔ اور اکثر اتنی
بغیر سوئے گذر جاتی تھیں۔

خلیفہ مامون کا بچپن

(خان)

خلیفہ مامون مسلمانوں کا بہت مشہور
خلیفہ تھا یہ بچپن سے بہت ذہین اور تیز
تھا۔ پانچ برس کا ہوا تو بڑے بڑے مولوی
اور اُستاد دور دور سے اس کے پڑھانے
کے لئے بلائے گئے اس کی عقل اور سمجھ
کا یہ حال تھا کہ اُستاد کے محض ذرا سے
اشارے سے وہ اپنی غلطی سمجھ جاتا تھا۔
ایک بار وہ قرآن پڑھ رہا تھا جب اس
آیت پہنچا (ترجمہ) "وہ بات کیوں کہتے
ہو جو کرتے نہیں"۔ تو بے اختیار اُستاد کی
نظر اس کی طرف اٹھ گئی۔ پہلے تو وہ سمجھا
کہ آیت غلط پڑھی تھی مگر دوبارہ پڑھ کے
دیکھا تو صحیح تھی۔
جب اُستاد پڑھا کر چلا گیا۔ تو وہ سیدھا

اپنے باپ خلیفہ ہارون کے پاس گیا۔ اور
اس سے ادب سے کہا "آپ نے مولوی
صاحب کو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا تو وہ پورا
کیجئے" ہارون نے کہا، "ہاں انھوں نے
کچھ لوگوں کی سفارش کی تھی اور میں نے
اس سفارش کو منظور بھی کر لیا تھا۔ کیا انھوں
نے تم سے اس کا ذکر کیا تھا۔" مامون نے
جواب دیا "جی نہیں" ہارون نے پوچھا پھر
تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ تب مامون نے سارا
قصہ سنایا اور کہا کہ "مولوی صاحب کا اس
آیت پر اس طرح چونک پڑنا بے دہن
ہو سکتا تھا۔ ہارون اپنے بیٹے کی اس سمجھداری
اور عقلندی پر بہت خوش ہوا۔

ایک دفعہ اُستاد پڑھانے آئے مامون
اس وقت گھر میں تھا۔ نوکروں نے اُستاد
کے آنے کی خبر گھر میں کہلا بھیجی مگر مامون
کو نیکنے میں ذرا دیر لگی۔ بس اتنی دیر میں نوکروں
چاکروں کو شکایت کا موقع مل گیا اور کہنے
لگے "مولوی صاحب! جب آپ یہاں نہیں
ہوتے تو یہ میاں میں پریشان کر ڈالتے ہیں
مامون جب باہر آیا تو مولوی صاحب نے اس

اگر آنکھیں ماتھے پر ہوتیں؟

سید ابوطاہر داؤد صاحب ابی ایس سی۔

محمود میاں بھی نئے نئے سوال کرتے ہیں۔ انھیں جب سوچتی ہے نئی سوچتی ہے۔ ایک دن کہنے لگے کہ قدرت نے بہت سی غلطیاں کی ہیں۔ بھلا بتا کر ماتھے سے کیا فائدہ ہے۔ چہرے میں اتنی جگہ بیکار ہی تو ہے۔ اگر ہماری آنکھیں ماتھے پر ہوتیں تو کیا بُرا تھا۔ ماتھا چونکہ سارے چہرے سے اونچا ابھرا ہوا ہے آنکھوں کے لئے بہت موزوں ہوتا۔ ہمیں دور کی چیز دیکھنی ہوتی ہے تو سر کو پیچھے کی طرف جھکا دیتے ہیں۔ تاکہ ماتھے کی اونچائی دیکھنے میں روک نہ ہو۔ اگر آنکھیں ماتھے پر ہوتیں تو یہ تکلیف نہ اٹھانی پڑتی اور ہم آسانی سے دور کی چیز دیکھ سکتے۔

میں اُن کا مطلب تو خاک بھی نہ سمجھا لیکن یونہی کہہ دیا۔ بھلا کس طرح؟ بھلا کر کہنے لگے۔ آپ بھی بس زے وہ ہی ہیں۔

شکایت کی وجہ سے ابھی طرح مرمت کی اور چھ سات بیدر سید کر دئے۔ مامون رونے لگا اتنے میں نوکروں نے مامون کو خبر دی کہ "حکومت کے وزیر جو عفر آپ کی ملنا چاہتے ہیں" مامون فوراً آنسو پونچھ فرش پر جا بیٹھا اور نوکروں کو حکم دیا کہ "اچھا آنے دو" وزیر آیا اور بہت دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ اُستاد کو ڈر پیدا ہوا کہ مامون وزیر جو عفر سے میری شکایت نہ کرے وزیر جلایا تو اُستاد نے پوچھا کہ تم نے میری شکایت تو نہیں کر دی مامون نے نہایت ادب سے کہا "مولانا آپ کیا فرماتے ہیں میں ہارون رشید سے تو کہنے کا نہیں جعفر سے کیا کہوں گا کیا میں یہ نہیں سمجھتا کہ آپ کے ٹھکانے لکھانے اور ادب اور تیز سنانے سے منجھو کس قدر فائدہ ہے پنچیس گئے۔ اپنی انھیں ابھی عادتوں اور سچے بوجھ کی وجہ سے اپنے باپ ہارون رشید کے مرنے کے بعد مامون بہت مشہور خلیفہ ہوا۔

اے بھی تم کسی اونچے مقام مثلاً چھت، سیڑھی درخت، مینار وغیرہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں تو ہمیں دور دور کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ اسی طرح اگر آنکھیں ذرا اونچی ہوتیں تو ہم زیادہ دور تک دیکھ سکتے۔
میں نے ہنس کر کہا "تو پھر آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہم درخت کی طرح لمبے یا قطب مینار کی طرح اونچے ہوتے۔ اللہ میاں سے کیوں نہ کہہ دیا۔"

وہ اگر کر کہنے لگے یہ باتیں تم لوگوں کی سمجھ میں تھوڑی آسکتی ہیں۔

میں نے قہقہہ لگایا اور دوسرے لڑکوں نے تالی بجائی۔ آپ کو آیا غصہ۔
لگے بڑا بھلا کہنے میں کوئی کم زور تو تھا نہیں جو دب جاتا۔ میں رول لے اُن کی طرف جھپٹا۔ وہ بھاگے ٹھوکر لگی اور دھڑام سے اونڈ منہ مگر پڑے۔

سب لڑکے ایک زبان ہو کر کہنے لگے "دیکھا نتیجہ اللہ میاں پر اعتراض کرنے کا۔"
میں دوڑا اور جا کر آنکھیں اٹھایا۔ اور پہلا کام جو کیا یہ تھا کہ اُن کی آنکھیں دیکھیں شکر

کہ سلامت تھیں۔ البتہ ماتھا اینٹ پر گرنے سے لہو لہان ہو گیا تھا۔ جب خون بند ہو گیا تو میں نے کہا کہ "دیکھو اگر تمہاری آنکھیں ماتھے پر ہوتیں تو کیا ہوتا۔"

وہ یہ سن کر چپ ہو گئے اور دل ہی دل میں کچھ سوچنے لگے۔ ماسٹر صاحب نے اُن کو دیکھ کر چوٹ کا حال پوچھا تو میں نے پورا قصہ کہہ سنایا۔ وہ بولے کہ "قدرت نے تم کو اچھا سبق دیا۔ ماتھا کتنی کارآمد چیز ہے آنکھوں کی حفاظت میں خود چوٹ کھا لیتا ہے مگر اُن پر آج نہیں آنے دیتا۔ اسی لئے اُبھرا ہوا ہے اور آنکھوں کے لئے چھچھ کا کام دیتا ہے۔ اگر آنکھیں ماتھے پر ہوتیں تو گر دو غبار سے ہر وقت اٹی رہتیں جس طرح کمرے کے سامنے برآمدہ ہوتا ہے اسی طرح آنکھوں کے اوپر ماتھا ہے۔ برآمدہ اندر کے کمرے کو گرد و غبار دھوپ پانی اور ٹھنڈک سے بچاتا ہے اسی طرح ماتھا بھی سورج کی کرنوں کو سیدھا آنکھوں پر نہیں پڑنے دیتا۔"

اللہ کی مرضی

(الفٹ انوری)

ہماری دنیا سے بہت دور کسی ٹھکانے والے ستارے میں ایک اور دنیا بستی ہو جس میں رہنے سہنے کھانے پینے کا طریقہ ہم سے بالکل مختلف ہے۔ واقعات جو اس ستارے کی دنیا میں دن رات ہوتے رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں انھیں کوئی جانتا بھی نہیں۔ اس دنیا میں ایک مرد اور ایک عورت رہتے تھے۔ ان کا بس ایک ہی کام تھا۔ یعنی وہ اکثر ایک دوسرے کے ساتھ بچہ کرتے تھے۔ یہ ایسی بات ہے جو کبھی بھی اس دنیا میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس ستارے کی دنیا میں ایک اور خصوصیت تھی۔ جہاں نہیں پائی جاتی۔ وہ ایک گھٹا جنگل تھا جس کے درختوں کے تنے اور شاخیں اس طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ گرمیوں میں بھی سونچ دکھائی نہ دیتا۔ اس کے قریب ہی ایک مندر

تھا۔ دن کے وقت وہاں ایک عجیب قسم کی خامشی طاری رہتی۔ لیکن رات کے وقت جب ستارے جگمگا رہے ہوں۔ یا جب چاند کی دلکش چاندنی درختوں کی چوٹیوں اور اونچی ٹہنیوں کو روشن کر رہی ہو۔ اس وقت اگر کوئی انسان تنہا رہے کہ قربان گاہ کی سیڑھیوں پر دوڑا ہو جائے اور چھاتی نکلی کر کے اس طرح زخمی کرے کہ خون کے قطرے قربان گاہ کی سیڑھیوں پر گر گریں۔ تو اس کی ہر ایک دعا قبول ہو جاتی تھی۔

اس عورت کی دلی خواہش تھی کہ مرد کو تمام دنیا کی نعمتوں اور خوشیوں سے مالا مال دیکھے۔ وہ دنیا کا بہت بڑا اور دولت مند انسان ہو۔ بزرگی اور عزت اس کے قدم چومیں۔

ایک رات جب چودھویں کا چاند اپنا نور بکھیر رہا تھا۔ اور سمندر کی لہریں چاندی کی طرح جھلسل کر رہی تھیں۔ وہ عورت اس جنگل کی طرف چل دی۔ درختوں کے نیچے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھارہا تھا۔ البتہ چاند

کی بلی بلی کر رہی تھی۔ کسی کسی جگہ اس کے پاؤں
تے چرچر کرنے والے پتوں پر پڑ رہی تھیں
لیکن اس سے کچھ دور اندھیری رات کی
سی سیاہی پھیل رہی تھی۔ اور چاند کی
کوئی کرن ٹہنیوں کے اس تنگ و تاریک
راستے سے گذر کر زمین تک نہیں پہنچ سکتی
تھی۔ جنگل سے گذر کر وہ قربان گاہ پہنچی۔ اور
دوڑا نو ہو کر دعا مانگنے لگی لیکن اس کے جواب
میں کوئی آواز اسے سنائی نہ دی۔ تب اس نے
اپنی چھاتی ننگی کی۔ اور قریب ہی دھڑے دھڑے
ایک تیز نوکدار پتھر کو اٹھا کر نہایت حوصلہ مندانہ
انداز سے زخمی کیا۔ سرخ لہو کی بوندیں آہستہ
آہستہ سیڑھیوں کے پتھروں پر گرنے لگیں۔ اور
ایک مختصر سے وقفہ کے بعد ایک آواز نے
پوچھا "تو کس چیز کی تمنا ہے؟" عورت
نے جواب دیا۔ "ایک مرد ہے جسے میں دنیا
کی تمام چیزوں سے عزیز سمجھتی ہوں۔ میری
آرزو ہے کہ اس کے دلی مقصد کے لئے
دعا مانگوں۔" آواز آئی۔ "وہ کیا مقصد ہے؟"
لڑکی نے جواب دیا۔ "یہ مجھے معلوم نہیں لیکن
میں یہ چاہتی ہوں کہ اسے جس چیز کی تمنا

ہے۔ وہ پوری ہو جائے۔" آواز نے کہا۔
تمہاری دعا قبول ہوتی ہے۔ اسے وہ چیز
حاصل ہو جائے گی۔
اب وہ کھڑی ہو گئی۔ اور اپنی زخمی
چھاتی کو چادر سے ڈھانک کر باہر نکل آئی
وہ ساحل کے قریب آہستہ آہستہ جا رہی
تھی کہ یکایک ٹھٹھک کر خاموش کھڑی
رہ گئی۔ اس نے آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ ڈال کر
غور سے دیکھا۔ سمندر میں ایک کشتی چاندی میں
نہائی ہوئی لہروں کے سہارے آہستہ آہستہ
چل رہی تھی۔ اس میں ایک شخص کھڑا تھا۔
اگرچہ اس کا چہرہ صاف طور پر دکھائی نہیں
دیتا تھا۔ لیکن اس کے انداز قد سے وہ بخوبی
واقف تھی۔ کشتی تیزی سے جا رہی تھی۔ اور
اس قدر تیز کہ اس میں بیٹھنے والوں کی صوتیں
دکھائی نہ دیتی تھیں۔ صرف اتنا معلوم ہوتا
تھا کہ کشتی کے پیچھے کوئی دوسرا انسان بیٹھا
تھا۔ لڑکی نے حیرت و تعجب سے نہیں بلکہ
نامعلوم جذبات سے اس کی طرف دوڑنا
شروع کیا لیکن انوس کہ اس تنگ و دو
کے باوجود بھی وہ اس کے قریب نہ پہنچ سکی۔

اس کا دوپٹہ جس نے اس کا نازک اور خوبصورت بدن ڈھانک رکھا تھا۔ ہوا سے پھر بھرا رہا تھا اور اس کے لائبے اور سیاہ بال نور سے چمک رہے تھے۔

اس کے کان میں کسی نے آہستہ سے کہا: "کیوں کیا بات ہو؟" لڑکی نے چلا کر کہا: "اپنے خون کے عوض میں نے اس کے لئے ایک تحفہ خریدا تھا۔ اور وہ تحفہ میں اسے دینے کے لئے لائی تھی۔ مگر وہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہا ہے۔" آواز نے آہستہ سے کہا: "تمہاری ہی دعا کا اثر ہے کہ اس کی دلی خواہش پوری ہو گئی۔" عورت نے چلا کر کہا وہ کیا خواہش تھی۔ آواز نے جواب دیا: "اس کی خواہش یہ تھی کہ وہ تم سے جدا ہو جائے۔ یہ سنتے ہی لڑکی کی رگوں میں خون سرد پڑ گیا۔

دور سمندر میں چمکدار لہروں میں کشتی تیز رفتار سے بڑھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

آواز نے پھر ایک بار نرمی اور آہستہ سے پوچھا: "کیا تم مطمئن ہو؟" لڑکی نے جواب دیا: "کیوں نہیں۔ اللہ کی مرضی یہی تھی۔"

سمندر کی بے قرار لہریں اللہ کی رضا پر شاکر بخیز والی دیوی کے پاؤں پر نثار ہونے لگیں۔ صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے اس کے مقدس جسم پر بوسے دے۔ فضا ایک دل خنک موسیقی سے گونج اٹھی۔ چاروں طرف "اللہ کی مرضی یہی تھی" کے نعرے گونج رہے تھے چاند نے عزت اور احترام کے ساتھ آنکھیں جھکا لیں۔

جادو کا لمپ

امیازمین صاحب قلمز بنارس

ایک سپاہی اپنی نوکری سے علیحدہ کر دیا گیا بے چارہ بہت غریب تھا۔ اس نے سوچا کہ مجھے سفر کرنا چاہیے۔ شاید اللہ روزی کا کوئی وسیلہ پیدا کر دے اور میں امیر ہو جاؤں۔ یہ سوچ کر وہ ایک طرف کو روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے وہ شام کے وقت ایک جنگل میں پہنچا اور ادھر ادھر نظر دوڑانے لگا کیا ایک کچھ فاصلہ پر اسے روشنی نظر آئی۔ قریب پہنچے پر معلوم ہوا کہ اس

جھونپڑی میں جادوگرنی رہتی ہے، سپاہی نے اُس سے بڑی عاجزی سے رات بھر رہنے کی درخواست کی جادوگرنی نے بڑی مشکل سے اس کی درخواست اس شرط پر منظور کی کہ صبح کو اس کا پورا باغ گوڑے سپاہی نے منظور کر لیا اور کھائی کر سورا۔ صبح کو وہ تڑکے ہی اُٹھا اور باغ گوڑے لگا مگر باغ اتنا بڑا تھا کہ شام تک مشکل سے وہ کام ختم کر سکا۔ وہ اتنا تھک گیا تھا کہ ہل بھی نہ سکتا تھا۔ اس لئے اس نے اس رات کے لئے بھی اجازت لی اور اُس نے اس شرط پر اجازت دی کہ دوسرے دن ایک گاڑی بھر کر لکڑی کاٹ لے۔ سپاہی نے منظور کر لیا اور صبح کو وعدہ کے مطابق لکڑی کاٹنے میں مشغول ہو گیا۔ مگر اب کے بھی اس کا کام شام کو تمام ہوا۔ اور تھک جانے کی وجہ سے اُس نے رات بھر کی اجازت چاہی۔ اس دفعہ جادوگرنی نے یہ شرط لگائی کہ ایک

کنویں سے نئی روشنی نکلتی ہے اس میں ایک لمب جل رہا ہے۔ مجھے وہ لمب نکال کر لا دو۔ سپاہی بے چارہ کیا کرتا مجبور تھا اُس کی یہ شرط بھی منظور کرنا پڑی۔ صبح کو جادوگرنی نے اسے کنویں کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا اور کہا کہ کنواں بہت ہی اُٹھلا ہے بس کو د جاؤ لمب مل جائے تو میرا ہاتھ کپڑ کر اور چڑھ آنا۔ سپاہی اندر کود گیا۔ فوراً ہی اُسے لمب مل گیا۔ اُس نے عورت سے کہا اب میری مدد کیجئے کہ اوپر چڑھ آؤں۔ وہ چالاک عورت بولی پہلے مجھے لمب دے دو۔ سپاہی سمجھ گیا کہ وہ لمب لے کر اسے کنویں میں چھوڑ دینا چاہتی ہے۔ اس نے کہا جب تک آپ مجھے نکال نہ لیں۔ گی میں لمب نہ دوں گا۔ جادوگرنی غصہ ہو کر بولی۔ بدبخت اگر نہیں دیتا ہے تو جا اپنی سزا کو بھگت اور میں مر۔ غریب سپاہی کنویں کے اندر بیٹھ گیا اور لمب سے سگار جلا کر پینے لگا۔

جونہی اس نے سگار جلا یا۔ ایک باد آنا آدمی سپاہی کی طرف آتا دکھائی دیا قریب آکر وہ سپاہی سے بولا۔

دود و باتیں

کسی پچھلے پرچے میں "معمولی رنگ کپ" کے سلسلہ میں تحریری و تقریری انعامی مقابلہ کی خبر دی گئی تھی۔ یہ مقابلہ ۳۴ فروری کو ۱۲ بجے جامعہ علمی مرکز نمبر ۱ کے ہال میں شروع ہوا۔ وہاں کے آٹھ اسکولوں کے بچوں نے اس میں حصہ لیا۔

پہلے تحریری اپنی مضمون لکھنے کا مقابلہ تھا۔ اس کے لئے عنوان پہلے سے مقرر کر دیا گیا تھا یعنی "بچے چند سالوں میں کہاں کہاں کی سیر کی ان میں سے اپنی پسند کی دو سیروں کا دلچسپ طے لکھو" علاوہ اس کے ایک عنوان یعنی "مدرسہ کی آرائش کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں" وقت کے وقت دیا گیا۔ تمام بچوں نے اس مقابلہ میں بہت دلچسپی سے حصہ لیا خصوصاً پہلے عنوان (سیر) پر لڑکوں نے بہت اچھے اور دلچسپ مضمون لکھے۔ ان میں سے دو ایک مضمون ہم انشاء اللہ پیامِ تعلیم میں بھی شائع کریں گے۔

شام کو آٹھ بجے سے تقریروں کے مقابلہ کا جملہ شروع ہوا۔ پہلے تیسرے درجہ تک کے بچوں کا مقابلہ تھا۔ تقریر کے لئے یہ چار عنوان پہلے سے مقرر کر دئے گئے تھے۔ ۱۔ گھوڑا ۲۔ اونٹ ۳۔ ہاتھی ۴۔ گدھا بچوں کو ان میں سے ایک پر تقریر کرنا تھی۔ جلسہ میں اونچی جگہ پر ان علوؤں میں سے کسی ایک کی تصویر لٹکا دی جاتی تھی اور ایک لمبی اور پتلی



"آپ کو فنجہ سے کیا کام ہے۔"
"کچھ نہیں"

"میں آپ کا حکم دل و جان سے غلام کی طرح پورا کروں گا۔"

"اچھا تو پہلے یہ مہربانی کرو کہ فنجہ اس کنویں سے نکال دو اور اس جادوگرنی کو اندر ڈال دو۔"

"بہت خوب"
یہ کہہ کر اُس نے سپاہی کو فوراً باہر نکال لیا اور جادوگرنی کو کھڑکھڑایا اور کنویں میں پھینک دیا۔

سپاہی نے جادوگرنی کی تمام دولت جمع کی اور شہر کی طرف جانے لگا۔ چلتے وقت اُس نے بونے کو جانے کی اجازت دی بونے نے رخصت ہوتے وقت کہا جب آپ مجھے بلانا چاہیں لمپ سے سگارا جلا دیجو مجھے موجود پایئے گا۔ (باقی باقی)

۲۔ چون آوارہ (چھٹا درجہ) ایم بی ڈل سکول بہاولپور دہلی
۳۔ جیل الرض (ساتواں درجہ) پنجابی اسلامیہ اسکول صہبازار
تقریری مقابلہ

۱۔ عبدالمین (چھٹا درجہ) پنجابی اسلامیہ اسکول صدر بازار دہلی۔ پہلا نمبر
۲۔ عبدالنصر (۴) جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ۱۔ دوسرا نمبر
تیسرے درجہ تک کے لڑکوں کا مقابلہ (جانوروں پر تقریریں)
۱۔ رافع الزماں۔ (تیسرا درجہ) جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ۱۔ پہلا نمبر
۲۔ اخلاص احمد (دوسرا درجہ) پنجابی اسلامیہ اسکول دوسرا نمبر
۳۔ محمد فیض (پہلا درجہ) فقیر علی اسلامیہ اسکول دہلی۔ تیسرا نمبر
جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب پرنسپل جامعہ ملیہ نے انعام
تقسیم فرمائے پنجابی اسلامیہ اسکول صدر بازار کے تینوں لڑکوں
نے اور اسکولوں کے مقابلہ میں زیادہ نمبر حاصل کئے تھے
اس لئے ٹرافی انہی کو ملی۔ یہ ٹرافی چاندی کی تھی اور جامع
مسجد کی شکل پر بنائی گئی تھی۔ اس کے تینوں گنبدوں پر
سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا اور اس سے اس کی خوبصورتی
بہت بڑھ گئی تھی۔

آخر میں ہم ان تمام لڑکوں کو مبارکباد دیتے ہیں جنہوں
نے اس جلسہ کو کامیاب بنایا۔ امید ہے کہ اگلے سال
دہلی کے باہر کے اسکول بھی اس انعامی مقابلہ میں
شریک ہوں گے۔

سیکریٹری دے کرچہ سے کہا جاتا تھا کہ اس جانور کے متعلق جو کچھ
اُسے معلوم ہو، بیان کرے یہ طریقہ بہت دلچسپ ثابت ہوا۔ جامعہ
تعلیمی مرکز نمبر ۱ کے ایک طالب علم رافع الزماں نے اپنی بھولی
بھالی زبان میں بڑی، مزیدار تقریر کی۔

اس کے بعد آٹھویں درجہ تک کے لڑکوں کا مقابلہ ہوا ان
کے لئے یہ عنوان مقرر کیا گیا تھا: انسان کی خدمت کے لئے
مقرر کی نسبت مصنف زیادہ مفید ہو۔ یہ مقابلہ بھی بہت دلچسپ
رہا اور بعض لڑکوں نے بہت اچھی تقریریں کیں۔ کوئی دس
بچے ان لڑکوں کی تقریریں ختم ہوئیں اور جلسہ دوسرے دن
کے لئے ملتوی ہوا۔

دوسرے دن (۵ فروری) اسی دو بارہ جلسہ
شروع ہوا۔ اس مرتبہ انہیں آٹھویں درجہ تک کے لڑکوں کو ایک
عنوان دے کر پانچ منٹ سوچنے اور پھر تقریر کرنے کا موقع
دیا جاتا تھا اور اس قسم کی تقریر کو فی البدیہہ تقریر کہتے ہیں، مقابلہ
کی یہ شکل ذرا مشکل تھی اس لئے دو ہی ایک لڑکوں کی تقریریں
اچھی رہیں۔

ان تقریریں کے ختم ہوجانے پر جڑ لڑکے ان مقابلوں
میں پہلے اور دوسرے نمبر پر آئے تھے ان کے نام پڑھے گئے،
وہ نام ہم یہاں لکھتے ہیں۔

نخترہ دی (مضمون لکھنے کا مقابلہ)

اخلاص احمد (ساتواں درجہ) گورنمنٹ ہائی اسکول دہلی۔ پہلا نمبر



۷ مارچ سنہ ۳۳ ع

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

جلد ۱۴ نمبر ۵

فہرست مضامین

۱	دو دو باتیں	ایڈیٹر	۶۵
۲	تلی	مولانا محوی اکھنوی	۶۶
۳	عجائب خانہ سمندر	سید محمد عسکری	۶۸
۴	ایسے کان ہلاکتے ہو	ابولی ہر داؤد	۶۹
۵	جزیرہ نیا ملایا	احسان اللہ خان	۷۲
۶	زبردست دشمن	جیواد	۷۳
۷	ولیم ہرشل	اشرف	۷۴
۸	جادو کا لمپ	امتیاز حسین فائز	۷۵
۹	یتیم خانہ ڈھاکہ	سعید انصاری	۷۷
۱۰	کفایت شعاری	مسعود الحسن قدہانی	۷۹

Jamin Press

ایڈیٹر: سعید انصاری

تازہ مطبوعات

بچوں کا قاعدہ
ایک ماہر تعلیم نے
تیار کیا ہے۔ قیمت ۴/۴

اچھی باتیں ۴ اسلامی عقائد ۱۰
دیانت (ڈراما) ۴
رہنمائے قاعدہ
مدرسین کے لئے مفید
چیز ہے۔ قیمت ۴/۴

(آسان خوش خطی)

پرائمری اور مڈل اسکول کے طلباء کو خوش خطی سکھانے والی کاپیاں
بغیر استاد کی مدد کے ان کاپیوں پر مشق کر سکتے ہیں

حصہ اول۔ الف سے "ے" تک کی مشق بطرز جدید۔ قیمت ۴/۴

" دوم۔ تختیاں

" سوم۔ مرکب الفاظ، جوڑا اور شوشوں کی مشق

" چہارم۔ دلچسپ اور اخلاقی اشعار کی مشق

مکتبہ جامعہ تہذیب و ادب دہلی

دودو باتیں

کر سکتے ہیں۔ پیام تعلیم کے متعلق مفید مشورے دے کر ہماری مدد کر سکتے ہیں اور پیام تعلیم کے خریدار بنا کر ہماری مدد کر سکتے ہیں +

ان صورتوں میں سے جس صورت میں آپ کو سہولت ہو، اس پر بلا تکلف عمل کیجئے۔ ہم آپ کی آئندہ عنایتوں اور نوازشوں کے منتظر رہیں گے۔

۲۷ فروری کو ہماری جامعہ کے ایک عزیز طالب علم محمد اسماعیل صاحب (تعلیم ثانوی چہارم) کی شادی بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ دو گھنٹہ میاں اور ان کے والد محترم حاجی محمد رفیع الدین صاحب ہمیشہ کی طرح اس موقع پر بھی جامعہ کو نہیں بھولے اور جامعہ کو پان سو روپیہ کی رقم مرحمت فرمائی۔ ہم دو گھنٹہ میاں اور ان کے والد محترم اور دوسرے عزیزوں کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

اکثر پیام بھائی، پیام تعلیم کو مضمون بھیجتے یا ایڈیٹر کو خط لکھتے وقت اپنا پورا پتہ نہیں لکھتے اس سے خط کتابت میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ اکثر ہم ان کے مضمون کی رسید تک انہیں نہیں بھیج سکتے اور ہمیں اور انہیں ددونوں کو الجھن ہوتی ہے۔ امید ہے کہ آئندہ وہ اس معاملہ میں احتیاط سے کام لیں گے

کسی پچھلے پرچہ میں ہم نے پیام بھائیوں کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ رسالہ کی ترقی کے لئے ہم اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب مل کر اس کشتی کو پار لگائیں۔ اگر پیام تعلیم کے پڑھنے والے بھائی اور عزیز زاپسی امداد کے ذریعہ ہماری ہمت بڑھائیں تو ہماری کوششوں کو چار چاند لگ جائیں گے +

اس امداد کی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں۔ آپ پیام تعلیم کو مضمون بھیج کر ہماری مدد

تسل

(محجین صاحبِ نحوی)



خوشنما جسم ترا، او تسلی
دل رُبا تیری ادا، او تسلی
جسم چھوٹا سا ہے، نازک بازو
رنگ، جیسے گلِ رعنا، دل جو
صرف صورت تری کیا پیاری ہو
تیری اڑنے کی ادا پیاری ہو
جاگے ہر پھول پہ چالاکی سے
تو لپٹ جاتی ہے، بیٹیا کی سے
پیاری کرتی ہے اسے چوم کے تو
لیتی ہے اس سے غذا جھوم کے تو
دی ہے فطرت نے نزاکت تجھ کو
کہ کسی پھول پر تو بار نہ ہو

۱۔ خوب صورت، رنگ برنگ پھول۔ ۲۔ دل کو لگنے والا۔ پیارا۔ ۳۔ نڈر ہو کر۔ ۴۔ بے غمی سے۔ ۵۔ خدا کی

قدرت نے۔ ۶۔ بوجھ۔

ننھی ننھی سی ہے تیلی! تیری جاں
 اچھے خوش رنگ پروں پر ہیں جنجال
 چھوٹے چھوٹے ہیں شرارے روشن
 سخن گلشن میں ادھر اور ادھر
 تیری پرواز مجھے بھائی ہے
 گھومتی پھرتی ہے، ڈالی ڈالی
 لوریاں تجھ کو ہوا نے دی ہیں
 تیز آمد سی کا چلے جب جھونکا
 دھوپ آنے سے نہ ہو تو یابوس
 بھاگ، اڑ، بھاگ وہ بچے آئے
 ناسمجھ ہیں تجھے کب چھوڑیں گے
 تو خدا جانے، ہے بچی کہ جواں
 ان سے چرکا تری صورت کا جال
 یا پروں پر ہیں ستارے روشن
 پھول اڑتے ہوئے آتے ہیں نظر
 مگر افسوس کہ ہر جا ملی ہے
 جھومتی پھرتی ہے، ڈالی ڈالی
 شوخیاں تجھ سے جھلنے لی ہیں
 تب ہے دشوار، ٹھہرنا تیرا
 جب لگے پیاس تو اس پھول کا چول
 ان کے ہاتھوں سے نہ پکڑی جائے
 تجھ کو پائیں گے تو پر توڑیں گے

مانِ نحومی کا کہا اے تیلی
 کہ یہ ہے دوست ترا اے تیلی!

عجائب خانہ سمندر

سید محمد عسکری صاحب جعفری



ایسے بے کس اور بے بس جانور جنہیں اپنی حفاظت کے لئے نہ ہاتھ میسر ہے۔ نہ پاؤں۔ دوسرے بڑے جانوروں کا نہایت آسانی سے شکار ہو جاسکتے ہیں۔ مگر قدرت کا انتظام دیکھو کہ انہیں بھی حفاظت کے طریقے بتلا دیئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ دریا میں سے کس طرح مادہ حاصل کر کے اپنی جسم کے اطراف ایک ٹوہانچہ یا خول بنالیں تم نے کارل (مرجان) اور میٹ کے بیان میں پڑھا ہے کہ کس طرح ان کے ڈھانچے بتدریج بڑے بڑے پہاڑ اور جزیرے

بن گئے۔ اسپنج کا کیڑا بھی اسی طرح کے ڈھانچے اور خول اپنے رہنے کے لئے بناتا ہے۔ اور تم جو اسپنج استعمال کرتے ہو، یہ وہی خول ہے۔ ایک بڑے عقل مند کا قول ہے کہ ان ڈھانچوں کے سبب سے آج تک کوئی اسپنج کسی بڑے جانور کا شکار نہیں ہوا اس ڈھانچے کی کیفیت بالکل بھول بیٹیاں کی سی ہے۔ اگر اس وضع کا مکان بنا کر تمہیں اس میں چھوڑ دیا جائے تو تم اس کے دالالوں اور کمروں میں پھر پھر کر پریشان پریشان ہو جاؤ گے۔ اور قیامت تک باہر نہ آسکو گے۔ اس میں سینکڑوں باریک باریک سوراخ ہیں۔ جن میں سے پانی کے ساتھ چھوٹی چھوٹی چیزیں اندر جاسکتی ہیں اور چند بڑے بڑے راستے بنے ہوئے ہیں۔ جس کے ذریعے وہ باہر آسکتی ہیں۔ اگرچہ ظاہر دیکھنے میں اسپنج بہت نرم ہوتا ہے اور تم خیال کرو گے کہ مچھلیاں اس کو آسانی کے ساتھ کھا جاسکتی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ بڑی سے بڑی مچھلی بھی اسے نہیں چبا سکتی تم جیہا کے دیکھو، دانت رہ جائیں گے اور

ہے۔ یہاں کیڑے مکوڑے اور کھانے کے قابل پودے جن لئے جاتے ہیں۔ جس کے بعد پانی انھیں بالوں کے ذریعے بڑے سوراخوں کی سمت بہا دیا جاتا ہے۔ بعض وقت پانی کے ساتھ ساتھ کچھ خوفناک اور نقصان پہنچانے والے کیڑے اور پودے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ خدا جانے کسی طرح ان میں اور کھانے کے قابل کیڑوں میں اسپنج فرق کر سکتا ہے مگر اسے اپنے ننھے دشمنوں کی خبر ہو جاتی ہے اور چھوٹے چھوٹے نیزے جو جسم میں پوشیدہ ہیں، انھیں باہر نکال پھینکتے ہیں۔

کیا تم اپنے کان ہلا سکتے ہو؟

(سید ابولہر داؤد صاحب - بنی ایس سی)

ایک دفعہ ہم ہرن کے شکار کو گئے۔ ایک بھیل کو ساتھ لے کر جھاڑیوں اور جنگلوں میں ہرنوں کی تلاش کر رہے تھے کہ یکایک ایک جھاڑی میں سے ہمیں ہرنوں کا ایک غول کا غول نظر آیا۔ جو کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ اباجان بندوق ہاتھ میں لے کر جھاڑیوں کی آدلیتے

یہ نہ چبایا جائے گا۔ اسی لئے بڑے دریائی جانوروں نے اس کا شکار کرنا چھوڑ دیا ہے اس کے علاوہ اس کیڑے نے اپنے خول میں چند نہایت سخت اور نکیلے نیزے بھی چھپا رکھے ہیں۔ جو مچھلیوں کے منہ میں بری طرح سے جھب جاتے ہیں۔ اسپنج کی زندگی میں اس خول کے اندر باہر ہر طرف ایک لعاب سا لٹا رہتا ہے۔ اور جب پانی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے جانور ان سوراخوں کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ تو پھر انھیں باہر نکالنا نصیب نہیں ہوتا۔ اسی لعاب میں گھل کر اسپنج کی غذا بن جاتے ہیں۔ پانی ہر ایک سوراخ میں سے داخل نہیں ہوتا۔ بلکہ چھوٹے سوراخ پانی کو اندر لے جانے کے لئے بنے ہیں اور بڑے سوراخ باہر نکالنے کے لئے۔ اس طرح سے پانی کی آمد و رفت کو قائم رکھنے کے لئے اہتمام یہ ہے کہ ان سوراخوں میں بہت ہی ہمین بال اگے ہوتے ہیں۔ چھوٹے سوراخوں میں جو بال ہیں وہ باہر سے اندر کی طرف حرکت کرتے ہیں۔ اور اس حرکت کے ساتھ پانی اندر آنا شروع ہوتا ہے اور اندر ہی اندر اسپنج کے بیچ میں جا پہنچتا

- اور آنکھ جھپکتے میں پورا غول کا غول ہوا ہو گیا
اباجان نے فائر کیا مگر بے کار۔

اباجان کو سکار سے خالی ہاتھ واپس آنے
کا بہت افسوس تھا۔ گردن نیچی کئے آہستہ
آہستہ چل رہے تھے، مجھے ان کی ناکامی پر
بہت رنج ہوا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اب
ان کا خیال اس طرف سے کس طرح ہٹاؤں
اور ان سے کون سا ذکر چھیڑوں۔ آخر میں پوچھ
ہی بیٹھا۔ اباجان، کیا ہرنوں کے کان ہمارے
کانوں سے مختلف ہیں؟

اباجان میرے سوالوں کا جواب ہمیشہ
دیا کرتے تھے۔ فوراً سر سیدھا کر کے ”ہوں“ کہا
اس طرح جیسے کوئی خواب سے جو کھٹا ہے،
بولے، کیا کہا؟

میں نے ڈرتے ڈرتے پھر سوال دہرایا کہ
لگے ”تمہارا یہی مطلب ہے نا کہ وہ ہلکی سے
آواز بھی کس طرح سن لیتے ہیں جو ہم نہیں سن سکتے
میں نے کہا ”جی ہاں“

کہنے لگے ”نہیں، ان کے کان اور ہمارے
کان بالکل ایک سے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے
کہ ہم شہروں میں رہ رہ کر غل اور شور کے عادی

ہوئے ان کے پیچھے پہنچ گئے۔ ہرنوں سے
فاصلہ اب بھی زیادہ تھا۔ اگر وہاں سے کھڑے
ہو کر بندوق چلاتے تو نشانہ ٹھیک نہ بیٹھتا۔ مگر
وقت یہ تھی کہ آگے جھاڑیاں ایسی گھنی اور لمبی
نہ تھیں، جن میں ایک آدمی چھپ کر ان کے
قریب پہنچ سکتا۔ اس لئے اباجان وہیں
زمین پر لیٹ گئے اور پیٹ کے بل سرکنا
شروع کیا۔

ہرن گھاس چرتے جاتے تھے اور بار بار
گردن اٹھا اٹھا کر کنوئیاں بدل بدل کر چاروں
طرف دیکھتے جاتے تھے۔ جوں جوں اباجان
سرک سرک کر ان کے قریب ہوتے جا رہے
تھے، ان میں بھی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔
زمین پر رینگنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے
وہ ہم لوگ کبھی نہیں سن سکتے، مگر ہرن سن
سکتے تھے۔ اور جو کتنے ہو ہو کر ادھر ادھر دیکھ
سکتے تھے۔ ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ دشمن قریب
ہی ہے۔

اباجان نے بندوق کا گھوڑا ہٹا کر
لب لبی پر اٹھ لی رکھی۔ یہ آواز ہرنوں کے کانوں
تک پہنچ گئی۔ خطرے کا سنل ہو گیا۔ اور

ہو گئے ہیں۔ جو شین زیادہ چلائی جاتی ہے وہ خراب ہو جاتی ہے۔ ہمارے کان بھی اسی طرح خراب ہو گئے ہیں۔ ایک ہی وقت میں کئی ٹھٹھے مارتا ہے، کوئی روتا ہے، کوئی چلاتا ہے۔ کوئی باجہ بجاتا ہے، ہر وقت ٹریم کی گھڑ گھڑاہٹ ریل گاڑی کی چھک چھک گاڑیوں کی گھڑ گھڑ اور گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں ہمارے کانوں پر ستھڑوں کی طرح لگتی رہتی ہیں۔ ہم قریب سے کسی کی کان پھوسی تو سن ہی نہیں سکتے پھر بھلا دور سے باریک آوازیں کس طرح سن سکتے ہیں۔

میں نے کہا: کیا گاؤں والے ہم سے زیادہ سن سکتے ہیں؟

ابا نے جواب دیا: بے شک، امریکہ کے وحشی تو درخت پر کان لگا کر بتا دیتے ہیں کہ ایک میل کے فاصلہ پر کوئی آ رہا ہے، مگر جانور ان سے بھی زیادہ ہوشیار ہیں۔
”اچھا تم اپنے کان ہلا سکتے ہو“ انھوں نے مسکرا کر مجھ سے سوال کیا۔ میں نے گھوڑوں اور سہرنوں کو کان ہلاتے ہوئے بار بار دیکھا تھا۔ کان ہلانے کی لاکھ کوشش کی مگر وہ سن

سے سن نہ ہوئے۔ ابا ہنسنے لگے، پھر بولے ”دیکھو جانوروں کے کان ہلانے کو ہم کنوئیاں بدلنا کہتے ہیں۔ آواز جدھر سے بھی آتی ہے، جانور اپنے کان گھما کر اسی طرف کر دیتا ہے اور اس طرح وہ آواز سن لیتے ہیں جنہیں تم کان کہتے ہو وہ دراصل کان نہیں ہیں بلکہ گراسوفون کے بھونپو کی طرح آواز میں گونج پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ اصلی کان ہمارے سوراخوں کے اندر ہیں۔ اس لئے اگر ہمارے اوپر کے کان نہ بھی ہوں تب بھی کوئی نقصان نہیں، البتہ لوگ بوچا کہیں گے۔ تم جب کسی زمانے میں پورے انسان بنیں بنے تھے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بندر تھے، تو اپنے کان ہلا سکتے تھے۔ رفتہ رفتہ جب انسان ہوئے تو تم نے کان ہلانا چھوڑ دیا۔ جس چیز کو بھی کام میں نہ لاؤ وہ خراب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہم اپنے کان ہلانے کی طاقت کو بیٹھے۔ کان کے قریب گوشت کے تین پٹھے جن سے ہم انھیں ہلایا کرتے تھے، اب بھی موجود ہیں۔ مگر مردہ ہو چکے ہیں؟

کو کسی قدر کم کرتی رہتی ہے۔ دونوں طرف کی ہوا میں سمندر کی نمی لے کر یہاں خوب پانی برساتی ہیں۔

سمندر کے کنارے کے میدانوں میں وصال، اوکھ اور ناریل کی پیداوار سب سے زیادہ ہے۔ جہاں جنگل کاٹ کر پہاڑ کے پہلو صاف کر دئے گئے ہیں وہاں مسالے، ربر اور قہوہ بویا جاتا ہے۔ جنگلوں سے عمارت کے قابل لکڑی، بانس، بید اور گوند ملتا ہے۔

یہاں کانیں بھی ہیں۔ مین یہاں بہت نکلتا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے جتنا مین تمام دنیا میں کھیتا ہے اس کا چوتھائی حصہ یہاں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سونا، لوہا، سیرہ جست، چاندی، پارہ اور کوئلہ بھی نکالا جاتا ہے۔ اس ملک میں کئی دریا ہیں مگر بہت چھوٹے ہیں۔ اُن میں جہاز نہیں چلائے جاسکتے۔ پھر بھی آب پاشی کے لئے بہت مفید ہیں۔

آب دہوا گرم اور مرطوب ہے۔ جس کی وجہ سے مہیرا کی بہت شکایت رہتی ہے

۱۔ آب پانی۔ پاشی۔ چھڑکنا۔ کھیتوں کو جو دریاؤں اور کنودوں سے پانی دیا جاتا ہے، اُسے آب پاشی کہتے ہیں

جزیرہ نمائے ملایا

احسان اللہ خاں معلم جامعہ



زمین کا ایک تنگ ٹکڑا یعنی خاکنائو کر اسیام دبر سے اس جزیرہ کو جدا کرتی ہے۔ اور یہاں سے یہ سانت سو میل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا کل رقبہ ستر ہزار مربع میل اور آبادی چھ لاکھ پچاس ہزار ہے۔ سال پر کچھ میدان چھوڑ کر بیج میں آٹھ آٹھ ہزار فٹ اونچے پہاڑ چلے گئے ہیں۔ یہ بہت سرسبز پہاڑ ہیں اور ان پر درختوں کے بہت گھنے جنگل ہیں۔ ہاتھی شیر۔ جنگلی بھینس۔ ہرن اور تم م کے جانور یہاں پائے جاتے ہیں۔ میدانوں کا موسم گرم ہے لیکن سمندر کی ہوا پورب اور چھم کی طرف سے آتی اور گرمی

اس جزیرہ نمایں چار ریاستیں بھی شامل ہیں (۱) سیام کا کچھ حصہ (۲) پیراک (۳) مالاکا (۴) جھور۔ سب سے بڑی ریاست جھور ہے جس کا حاکم ایک سلمان بادشاہ ہے۔

زبردست دشمن

جیوا و صاحب

ایک بادشاہ سیر کے لئے سوار ہوا جب شہر سے باہر نکلا تو ایک بڑھے آدمی نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور بہت گڑگڑا کر عرض کیا کہ ”اے سلطان حکم دیجئے کہ آپ کا جلاو میری گردن اڑا دے۔ یہ آپ کا بہت ہی بڑا احسان مجھ پر ہو گا“

بادشاہ یہ التجا سن کر گھبرایا اور پوچھنے لگا کہ ”کیا تو دیوانہ اور پاگل ہے؟“ بڑھے نے کہا۔ ”اگر میں پاگل ہوتا تو یہ کس طرح سمجھتا کہ آپ بادشاہ ہیں اور میری تنہا پوری کرکتی ہیں؟“ بادشاہ نے کہا کہ تو جو اپنی زندگی سے ایسا بیزار ہے اس کی فصل وجہ کیا ہے؟ اس بڑھے نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ مجھ پر ایک یو

گرمی بہت کم ہوتی ہے اور جاڑا تو بالکل نہیں ہوتا۔ بارش عموماً تمام سال ہوتی ہے۔ اس ملک کے رہنے والے چینیوں کو بہت ملتے جلتے ہیں۔ ناک چھٹی، رنگ لہری مائل، چہرہ گول، گال نکلے ہوئے بال سیاہ آنکھیں پھری ہوئی۔ یہ لوگ اکثر بد مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں ہزاروں کی تعداد میں بد مذہب موجود ہیں۔ جو ”پگودا“ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ سفید ہاتھی کی بھی بہت تعظیم کرتے ہیں اور بعض تو اسے پوجتے بھی ہیں۔

جزیرہ نمائے ملایا کچھ انگریزوں اور کچھ سیام کے قبضہ میں ہے۔ انگریزی علاقے کچھ تو خود انگریزوں کے ہاتھوں میں ہیں اور کچھ میرپور اور رئیسوں کے۔ جو یا تو برطانیہ کے دوست (حلیف) ہیں یا ماتحت رعایا۔ اس علاقہ کا صدر مقام سنگاپور ہے۔ جو بالکل جنوب میں ایک ایک چھوٹے سے جزیرہ پر واقع ہے یہ بہت مشہور بندرگاہ ہے۔ اور جاپان اور آسٹریلیا سے آنے والے جہازوں کے راستے میں واقع ہے۔ اس کی آبادی تقریباً تین لاکھ ہے

ولیم ہرشل

(۲)

(مترجمہ: اشرف)

آخر کار بڑی محنت کے بعد اس نے ایک ستارہ معلوم کیا جو قد میں معمولی ستاروں سے بڑا تھا۔ دو تین راتوں کے غور کے بعد اس نے یہ طے کیا کہ وہ ستارہ نہ تو دوسرے ستاروں کی طرح جھلکتا ہے اور نہ ایک جگہ پر قائم ہے، بلکہ نہایت روشن اور صاف ہے۔ اور اپنی جگہ سے حرکت بھی کرتا ہے۔ بڑی بہت کے بعد ولیم نے اپنی پہلی دریافت کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔

دوسرے نجومیوں نے بھی اس کو دیکھا اور سب نے یہ طے کیا کہ ستارہ موجود تو ضرور ہے، لیکن حرکت نہیں کرتا۔ اسی سلسلہ میں ولیم پر بہت سے اعتراضات کئے گئے اور ثابت کر دیا کہ اور ستارے بھی معلوم کئے جاسکتے ہیں اس کی اس دریافت پر بہت سے انعام و اکرام ملے گئے۔ اور جلد ہی دوسرے پونڈ سالانہ کی خواہ پر شاہی نجومی مقرر ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے

زور آور دشمن نے حملہ کیا ہے کہ نہ تو مجھ میں اس کے مقابلہ کی طاقت ہے اور نہ اس سے بھاگ کر پناہ لے سکتا ہوں۔ اس نے مجھ پر میرا جینا دو بھر کر دیا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ سسکا سکا کر میری جان لے۔ اس کو چاہتا ہوں کہ مجھے ایک گت قتل کر دیا جائے تاکہ اس رات دن کی مصیبت سے پل کی پل میں نجات مل جائے۔

بادشاہ اور بھی حیران ہوا اور اس سے کہا کہ تو اپنے دشمن کا نام بتا جس نے تجھے زندگی سے بیزار کر رکھا ہے۔ تاکہ ہم اس کے ظلم سے تجھے نجات دلائیں۔

بڑھے نے کانپتے ہوئے کہا کہ اے سخی بادشاہ! وہ میرا دشمن مفلسی اور محتاجی ہے۔ جس کی وجہ سے میری ایک گھڑی بھی چین سے نہیں گذرتی! بادشاہ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ اس کو ایک ہزار روپیہ دیدو اور بڑھے سے کہا اب تو میں سیر کو جا رہا ہوں اگر تیرا دشمن پھر تجھ پر حملہ کرے تو میرے پاس آجیو میں پورا بندوبست کر دوں گا۔

بڑھا بادشاہ کو دعائیں دیتا ہوا چلا گیا +

محنت، شوق اور دلچسپی کو کم نہ کر سکی۔
وہی ولیم جو در بدر لگا کر روزی کما تا تھا
اور ستار اور چند باجوں کے سوا اس کے
پاس نہ کوئی اثاثہ تھا، نہ ہنر، محض اپنی محنت
اور بہت سے دنیا کے چند بڑے سائنس
دانوں میں گرنا جاتا ہے +

جادو کا لمپ

(ایثار حسن فائز بنارس)

(۲)

اب ہمارا سپاہی پہلے کی طرح مصیبت زدہ
اور غریب نہیں ہے۔ بلکہ جادو کے لمپ کی
برکت سے بہت مال دار ہو گیا ہے۔ اور اسیرانہ
ٹھاٹھ سے رہتا ہے۔ اس وقت وہ لندن کی
سرے پوپ جان کے ایک کمرہ میں بیٹھا جو
چار پینے کے بعد اس نے لمپ سے سگار جلا یا۔
اور فوراً بونا آسوجو ہوا۔ سپاہی نے اس کو کہا:-
”بادشاہ نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے
میں نے اس سے بدلہ لینے کی ایک ترکیب
سوچی ہے۔ تم اس کی لڑکی کو رات کی وقت

چالیس فٹ لائبریری چارٹیشیوں کی دور میں بنائی
اور اس سے آٹھ ستارے اور معلوم کئے۔ سوچ
اور دوسرے ستاروں کے متعلق مزید معلومات
حاصل کیں۔

نیوٹن کی تحقیق یہ ہے کہ چاند اپنے ستاروں
کے ساتھ سورج کے چاروں طرف گھومتا ہے۔
ولیم نے بہت دنوں کی کوشش کے

بعد یہ معلوم کیا کہ سورج بھی نہایت تیزی
کے ساتھ گردش کرتا ہے۔ اس نے یہ بھی
ثابت کیا کہ جتنے ستارے ایک جگہ قائم
نظر آتے ہیں وہ کچھ نہ کچھ حرکت ضرور کرتے
ہیں۔ ۱۸۳۶ء میں ۸۴ برس کی عمر میں
اس نے انتقال کیا۔

شاہی نجومی ہونے کے زمانے میں
دربار سے بہت سے لوگ ستاروں کی سیر کے
لئے آیا کرتے تھے۔ اور ولیم کو سخت گرمی میں
بغیر کھائے پئے تمام تمام رات بسر کرنی پڑتی
تھی، لیکن وہ اس سے کبھی نہیں گھبراتا تھا
اسے کبھی دنیاوی عیش و آرام نصیب نہیں
ہوا۔ ملک اور قوم نے اس کی کافی قدر نہیں
کی۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی اسکی



بادشاہ کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے
اسے پھانسی کا حکم دیدیا۔ پھانسی کی صبح کو اس
کا ایک دوست اس سے ملنے آیا وہ جانے
لگا تو سپاہی نے کہا ”بھائی مہربانی کر کے
میرے ہوٹل کے کمرے سے ٹیلی روشنی والا
لمپ لا دو۔ تھوڑی دیر میں اس نے لمپ
لا دیا۔ سپاہی نے اسے جیب میں رکھ لیا۔

آدمیوں کا مجمع ہے، وزیر اور امیر سب
قریب سے بیٹھے ہیں۔ سپاہی پھانسی کے
نخنے کے قریب کھڑا ہے۔ بادشاہ ہی اجازت
لے کر اس نے لمپ روشن کیا اور اس سے
سگار جلا لیا۔ سگار جلاتے ہی بونا آموجود ہوا۔
اس نے سپاہی کی ہتھکڑی بیڑی کاٹ ڈالی
اور حکم کا منتظر رہا۔ سپاہی نے کہا جتنے آدمی

میرے غسل خانہ میں چھوڑ جاؤ اور صبح کو اس
کے گھر پہنچا دو، تاکہ چارلس دوم کو معلوم ہو کہ
میرا بدلہ کتنا سخت ہوتا ہے۔ بونے نے ایسا
ہی کیا۔ اور شہزادی کو سوتے میں اٹھا لیا۔
اور غسل خانہ میں چھوڑ دیا۔ اور صبح کو اس کے
گھر پہنچا دیا۔ جب وہ اٹھی تو سب حال ملکہ
یعنی اپنی ماں سے بیان کیا۔ ملکہ نے کہا بیٹی!
مجھے تو یہ خواب معلوم ہوتا ہے، مگر پھر تمہیں
کوئی لے جائے تو احتیاطاً اپنا سوتیلوں کا مالا
توڑ دینا تاکہ پتہ رہے اور راستہ معلوم ہو جا
دوسرے روز شام کو پھر سپاہی نے بونے
کے ذریعے شہزادی کو بلانا چاہا۔ بونے نے منع بھی کیا
کہ آج بلائے سے آپ پر کوئی آفت آئے گی
مگر وہ نہ مانا۔ آخر پہلے کی طرح بونے نے شہزادی
کو غسل خانہ میں لا کر بند کر دیا اور صبح کو محل میں
پہنچا لیا۔

ملکہ نے سپاہیوں کو حکم دیدیا تھا کہ تڑکے
ہی تلاش کرنا کہ موتی کہاں تک گئے ہیں جس
کے کمرے تک گئے ہوں اسے فوراً گرفتار کر لینا
غرض سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے
قید میں ڈال دیا۔

کیا ہوا ہے۔ نواب صاحب مرحوم زندگی بھر اپنے خراج سے لے چلاتے رہے۔ مگر جب ان کا انتقال ہو گیا تو پھر ایسا ہمدرد اور خلوص رکھنے والا یتیم خانہ کو نہ ملا اور یتیم خانہ صحیح معنوں میں یتیم ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد ڈھاکہ کے چند باعزت لوگوں نے ایک مجلس بنا کر یتیم خانہ کو اس کے سپرد کر دیا۔ اس مجلس کے ممبر لے اپنی پرانی جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ یعنی مشہور تاریخی مسجد مسجد گور شہید کے پاس لے آئے۔ مگر اس نئی جگہ آ جانے سے یتیم خانہ میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔

آخر کار خوش قسمتی سے لے ایک ایسا شخص مل گیا جو اپنی ہمدردی اور خلوص میں نواب سلیم خانہ مرحوم سے کسی طرح کم نہیں۔ یعنی چودہری فرید الدین احمد صاحب صدیقی۔ انھوں نے یتیم خانہ کے کاموں کے لئے اپنے آپ کو بالکل تہ تیغ دیا ہے۔ ان کی کوششوں سے اس کی گرتی ہوئی حالت سنبھل ہی نہیں گئی ہے، بلکہ بہت ترقی کر رہی ہے۔ چنانچہ دونی عمارتیں مستقل طور پر اس نے اپنے لئے بنالی ہیں۔ ان میں سے ایک نواب صاحب مرحوم کے باپ سر حسن اللہ

یہاں ہیں سب کو فوراً قتل کر ڈالو۔ بونے نے تلوار ہلا کر سب کو قتل کرنا شروع کیا۔ اور تھوڑی دیر میں پانچ سو آدمیوں کے سر گردن سوا لاکھ کر دیئے۔ جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچا تو چار سو دو سو سپاہی کے قدموں پر گر پڑا اور رونے لگا۔ سپاہی نے اس کی جان بخشی کی اور دوسروں کے قتل سے بھی بونے کو روک دیا۔ کچھ دنوں بعد سپاہی کی شادی شہزادی سے ہو گئی۔ اور بادشاہ کے بڑھاپے کی وجہ سے وہی بادشاہ بن گیا اور پہنی خوشی زندگی بسر کرنے لگا۔

(ترجمہ)

ڈھاکہ کا سلیم مسلم یتیم خانہ

پچھلے مہینے ہم چند لوگوں کو جامعہ کی طرف سے بنگال کے پوربہ حصہ (مشرقی بنگال) میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اس سلسلہ میں ایک بہت ہی عجیب و غریب چیز دیکھنے میں آئی یہ ڈھاکہ کا سلیم مسلم یتیم خانہ تھا۔ جو اس شہر کے مشہور اور ہر دلنیز نواب، سر سلیم اللہ خاں مرحوم کا قائم

عالمگیر کے حکم سے بنگال کا پورا صوبہ فتح کر لیا تھا۔ آج ان کے خاندان کا ایک بچہ دوسروں کی دی ہوئی روٹیوں کا محتاج ہے۔

یتیم خانہ یتیموں کے لئے صرف رہنے کا کام نہیں دیتا بلکہ یہاں انھیں دین (مذہب) اور دنیا کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ ابتدائی تعلیم کا نصاب پورا کر کے یہ بچے مختلف مدرسوں اور اسکولوں میں چلے جاتے ہیں۔ اس وقت بھی یہاں کے بچے ترقی کر کر کے بنگال کے متعدد اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔

سب سے بڑی خصوصیت اس یتیم خانہ کی یہ ہے کہ انھیں تعلیم کے ساتھ کوئی حرفہ (پیشہ) کا کام بھی سکھایا جاتا ہے۔ مثلاً کپڑا بنانا۔ لڑکے مختلف قسم دھنوں کے کپڑے،

چادریں، تولیے، اور دوسری عام استعمال کی چیزیں تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ

بڑھئی اور لوہار کا کام بھی سکھایا جاتا ہے جس میں لڑکے لکڑی اور ٹین کی نہایت اچھی اچھی

اور مفید چیزیں بناتے ہیں۔ پھر جلدیں بنانے کا کام ہے جس میں لڑکوں کو کتا بوں کی جلدیں

بنانا اور اسکولوں کے لئے کاپیاں تیار کرنا

خاں کے نام پر اور دوسری موجودہ نواب، سر حبیب اللہ خاں صاحب کے نام پر بنائی گئی ہے۔ ان کے علاوہ ایک عمارت یتیم لڑکیوں کے لئے عصمت النساء وارڈ کے نام سے بھی ہے۔ جو ساڑھے پچپن ہزار کے خرچہ کو بن کر تیار ہوئی ہے۔ ان تینوں عمارتوں میں کل ۱۱۷ بچوں اور بچیوں کی گنجائش ہے، احاطہ کے اندر ہی مسجد گورنمنٹ بھی پڑتی ہے اور پانچوں وقت کی نماز کے کام آتی ہے۔ دوسری ضرورتوں کے لئے جب تک خاص عمارتوں کے بننے کا انتظام نہیں ہو سکتا کام کرنے کے لئے ٹین کی عمارتیں بنائی گئی ہیں۔

اس وقت یتیم خانہ میں آسام اور بنگال کے ضلعوں اور شہروں کے مختلف بچے اور بچیاں موجود ہیں۔ مثلاً پترہ ایسن سنگھ، فرید پور،

دینچ پور، نواکھالی وغیرہ۔ بعض ایسے خاندانوں کے بچے بھی اس یتیم خانہ میں موجود ہیں جن کو

دیکھ کر سخت عبرت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک بچہ نواب شائستہ خاں مرحوم کے خاندان

سے ہے۔ یہ وہی شائستہ خاں ہیں جو شاہجہاں کے ماموں تھے اور جنھوں نے بادشاہ اورنگزیب

کفایت شعاری

(سید احسن قدوائی - جامعہ ہفتم، علیم سلم ہائی اسکول کانپور)

بچو، آج ہم تمہیں ایک ایسی بات بتائیں گے جو آگے چل کر بہت فائدہ دے گی۔

اپنے گھر میں بڑے بوڑھوں کو کفایت شعاری کا لفظ بولتے ہوئے تو ضرور سنا ہوگا۔ لیکن کبھی سوچا بھی کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ ضرورت کے مطابق خرچ کی عادت کفایت شعاری کہلاتی ہے، جو لوگ اپنا روزمرہ کا حساب درست رکھتے ہیں اور آمدنی سے ایک کوڑی زیادہ خرچ نہیں کرتے۔ دراصل وہی کفایت شعار ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ خوش رہتے ہیں اور دنیا میں ترقی کرتے ہیں۔ لیکن جو آمدنی سے زیادہ خرچ کے عادی ہوتے ہیں اور بات بات پر روپیہ پھینکتے رہتے ہیں، انہیں کا نام فضول خرچ ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ تکلیف اور مصیبت اٹھاتے رہتے ہیں۔ تم جس آدمی کو دیکھو کہ آمدنی سے زیادہ خرچ کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ اس پر جلد تباہی آنے والی ہے۔ اور کوئی دن میں یہ ذلیل ہو کر رہے گا۔ کیونکہ جب خرچ آمدنی سے زیادہ ہوگا

سکھایا جاتا ہے۔ غرض اس بات کی پوری کوشش کی جاتی ہے کہ یہ یتیم اور لاوارث بچے بڑے ہو کر لوگوں پر بوجھ نہ بنیں۔ بلکہ ان میں اتنی قابلیت ہو جائے کہ اپنی روزی خود کما سکیں۔ آج کل عام طور پر یتیم خانے جنڈامی مریموں کے ہسپتال کی طرح سمجھے جاتے ہیں مگر چودہری فرید الدین صاحب نے اپنی اچھے انتظام اور جان توڑ کوششوں سے اس یتیم خانہ کو ایسا بنا دیا ہے کہ یہاں کے بچے نہ خود اپنی اور نہ دوسروں کی نظروں میں حقیر نظر آئیں گے۔ بلکہ آئندہ عام لوگوں میں محل کر وہ مسلمانوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ خدا اس دن دونی رات چو گنی ترقی دے۔ آمین۔

یتیم خانے سے متعلق تصاویر ٹائٹل کے آخری صفحہ پر ملاحظہ ہوں۔

(۷) بلا ضرورت محض شان بڑھانے کے لئے کوئی چیز نہ خریدی جائے۔

پیام بھائیو۔ اگر سم ان عمدہ اصولوں پر ہتھوڑا بہت بھی عمل کرتے گئے تو ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہوں گے۔

جمع کرنے میں ہتھوڑے بہت کا خیال نہ کرنا چاہئے۔ اگر ایک پیسہ ہو سکے تو وہی جمع کر دے۔ ہتھوڑا ہتھوڑا کر کے ایک دن بہت ہو جائے گا۔ تم نے فارسی کی یہ نثر تو سنی ہو گی کہ ۱۔

دانہ دانہ سہی شود انبار

یعنی ایک ایک دانہ کر کے ڈھیر ہو جاتا ہے۔ اگر ایک ایک پیسہ جمع کر دے تو ایک دن بڑی رقم ہو جائے گی جو کسی وقت کام آئیگی

آپ کو اپنا نمبر خریداری یاد ہے؟

اگر یاد نہ ہو تو نہربانی فرما کہ پتے کی چٹ پر ملاحظہ کر لیجئے۔ خط کتابت میں نمبر کے حوالہ سے بڑی سہولت ہو جاتی ہے۔ ورنہ بسا اوقات جواب دینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ براہ کرم اسے نہ بھولیئے۔
مہتمم

تو ضرور اسے قرض لینا پڑے گا۔ اور قرض ہی بربادی کی جڑ ہے۔

پیام بھائیو! اشخاص کی طرح تو میں بھی فضول خرچ اور کفایت شاعر ہوں، دنیا میں جو تو میں ترقی کرتی ہیں وہ فضول خرچی کے پاس بھی نہیں جاتی ہیں۔ اور جن میں بڑی مادت ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ تباہ و برباد رہتی ہیں۔

کفایت شعار کی اصول سب آسان اور ہر شخص کی سمجھ میں آنے والے ہیں۔ میں چند سوٹی سوٹی باتیں لکھتا ہوں ۱۔

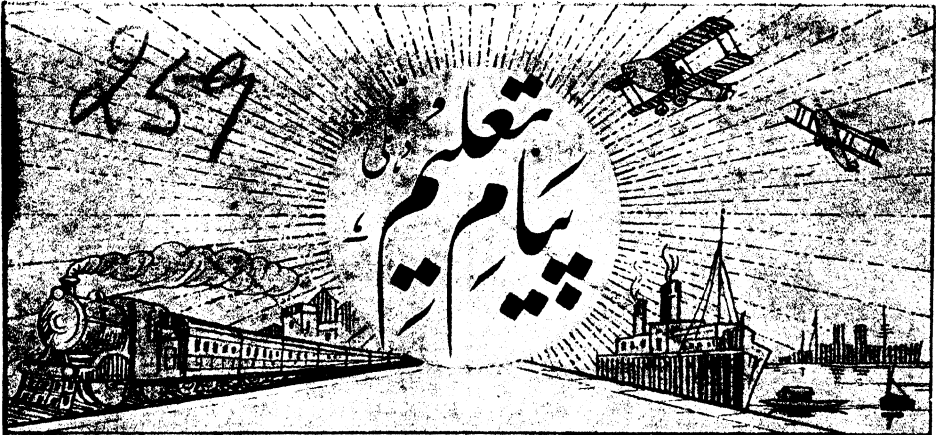
(۱) جو چیز خریدی جائے نقد خریدی جائے اور ادھار سے ہر حال میں پرہیز کیا جائے +
(۲) ہر مہینہ آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ بچا کر جمع کیا جائے۔

(۳) چوڑے پن سے بچا جائے۔

(۴) روزمرہ حساب لکھ لیا جائے اور آمدنی سے زیادہ ہرگز خرچ نہ کیا جائے۔

(۵) جب کام میں روپیہ لگایا جائے اسے اچھی طرح سے سمجھ لیا جائے کہ آیا اس میں نفع ہو گا یا نقصان۔

(۶) جیسی حیثیت ہو ویسی ہی وضع اختیار کی جائے



۲۱ مارچ سنہ ۳۳ ع

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

جلد ۱۴ نمبر ۶

فہرست مضامین

- | | |
|------------------------|---------------------|
| ۱ کلی ڈنڈا | ۱ مولانا محمد حسین |
| ۲ جزیرہ ملایا | ۲ عابد مسیح صاحب |
| ۳ عجائب خانہ سمندر | ۳ سید محمد عسکری |
| ۴ رومن کہانی | ۴ آنستہ دولت خانم |
| ۵ خلیفہ مادیوں اور چور | ۵ مولانا محمد حسین |
| ۶ اوکھلہ کی سیر | ۶ عبدالحی |
| ۷ اونٹ کی گردن | ۷ سید طاہر صاحب |
| ۸ کامیاب دھوکہ | ۸ شیر محمد کجراتی |
| ۹ فقیر کی ایبانداری | ۹ جیواد صاحب |
| ۱۰ جلد باز کسان | ۱۰ مسعود الحسن صاحب |

Jamia Press,

ایڈیٹر: سعید انصاری

گلی و نڈا ایک مکالمہ نظم

مولانا محمد حسین صاحب محوی - لکھنؤ



آج ہے کیشو، دن چسٹی کا
کل استاد نے سب سے کہا تھا
کھیل مگر ہو کوئی اچھا
کھیل مجھے بھاتا ہے ایسا

گوپال :- آؤ پلو میدان میں کھیلیں
سال گرہ کی کل چھٹی ہے
کیشو :- ہاں ہاں گوپال آؤ کھیلیں
جس میں دوڑیں، کودیں، بھاگیں

کیونکہ بیٹھا جائے گا پھلا
 اچھا خاصا مجمع ہو گا
 رستے ہی میں گھر ہے اپنا
 آخر آڑی کون بنے گا؟
 ایک طرف کیشو! تم ہونا
 اشرف بھی ہے دوڑنے والا
 خوب ہی پہنچے اشرف بھی
 چلو! بڑے آڑی تم بننا!
 تاکہ نہ ہو کچھ کھیل میں جھگڑا
 خوب بنا اب کھیل ہمارا
 وقت بھی ہے یہ کیسا اچھا
 کیا اب تک نہیں تم نے کھیلا
 گڑ میں بتاؤں ہر ایک اس کا
 ڈنڈے اس کو تین لگانا
 اس کو پک کر تم مت لینا
 زمیں سے ہرگز لگے نہ ڈنڈا
 دیر نہ ہو، اب وقت ہے تھوڑا

گوپال۔ چاہتا ہے میرا بھی یہی دل،
 کیشو! لڑکے اور بھی آئے ہوں گے
 گوپال! گلی ڈنڈا چسل کر لے لیں،
 کیشو! یہ تو بتاؤ، دونوں جانب
 گوپال! ایک طرف تو ہونگے اشرف
 تم ہو اچھے کھیلنے والے
 کیشو! لے لو، آگے اشرف
 گلی ڈنڈا چسل کر کھیلیں
 ہم کو بتانا قاعدے اس کے
 حامد، محمود، اختر آئے
 اقبال اور رشید بھی آئے
 اشرف! کیا نہیں جانتے گڑ تم اس کے
 ہے بہت آساں مجھ سے سیکھو
 جو گلی کہ زمین سے اٹھے،
 چھو کے زمین جو گلی اُچھلے،
 یوں مارو گلی کو جو مارو
 سب لڑکے، آؤ چلو، دو آڑی لے لو

اے لو بندھا وہ کھیل کاتانتا
 وہ گوپال نے ڈنڈا مارا
 لے لو وہ بٹن سر پٹ بھاگا

لو آپہنچے اور بھی لڑکے
 کیشو دوڑے، اشرف بھپٹے
 دور گری وہ جا کر گلی

لینا، لینا جانے نہ دینا
کیشو گرے وہ دھم سے، ہار ہا!
چوٹ لگی پر کچھ نہیں پروا
لو وہ اٹھا، وہ دوڑ کے لپکا
جیتے گا، بس آج یہ لڑکا

لگا وہ ڈنڈا، آئی وہ گلی۔
جھیلو بڑھ کر گلی کو ستم دوز
وہ اٹھ بیٹھے جھاڑ کے کپڑے
کیشو کیسا شیر ہے، دیکھو
جانے نہ دے گا گلی کو اب

خوب متا شاتم نے دکھایا
ختم کرو اب کھیل تم اپنا
خوب بہا جسوں سے پسینا
لو وہ اندھیرا شام کا چھایا
سارا دن ہے کھیل میں گزرا
کروٹ تک بھی کوئی نہ لے گا

واہ رے لڑکو، خوب ہی کھیلے
شام ہوئی اب گھر کو چل دو،
کتنے دوڑے، کتنے بھاگے
بھاگو اپنے اپنے گھروں کو
دن بھر کھیلے ایسے تھکے ہیں
رات بھر ایسے سوئیں گے پر کر

صبح سویرے ہی اٹھنا ہے،
کل پھر ہے اسکول کو جانا

آپ کو اپنا نمبر خریداری یاد ہے؟

اگر یاد نہ ہو تو ممبر بانی فرما کر پتے کی چٹ پر ملاحظہ کر لیں
خط کتابت میں نمبر کے حوالے سے بڑی سہولت
ہو جاتی ہے۔ ورنہ بہا اوقات جواب دینا بھی
مشکل ہو جاتا ہے، براہ کرم اسے نہ بھولئے۔
مہتمم

کچھ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ یہ جزیرہ منہ
انہیں لوگوں کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔

اس وقت ملایا میں رہنے والوں کی تیسری
قسم کے حالات کسی قدر تفصیل سے بیان کئے جاتے
ہیں۔ اس قسم میں زیادہ تر وہ لوگ شامل ہیں جو
دوسرے ملکوں کے رہنے والے ہیں اور اپنی
کسی خاص غرض سے کچھ دنوں کے لئے ملایا
میں آکر ٹھہر گئے ہیں۔ ان غیر ملکی لوگوں کی
فہمیں نیچے بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ یورپی۔ یہ لوگ براعظم یورپ کے مختلف
ملکوں کے رہنے والے ہیں۔ ملایا میں ان کے
ٹھہرنے کا سبب یا حکومت کے حکموں میں
نوکری ہے۔ یا تجارت ہے، یا خاص قسم کی
کھیتی باڑی ہے۔

۲۔ قرآنی۔ یورپ کے لوگوں اور خاص ملایا
یا ایشیا کے دوسرے ملکوں کے لوگوں کے
درمیان شادی بیاہ سے جو اولاد پیدا ہوئی ہے
وہ قرآنی کہلاتی ہے۔ ان لوگوں کا بھی زیادہ
تر اس ملک کی حکومت سے واسطہ ہے۔ مگر
آہستہ آہستہ یہ لوگ دوسری قسم یعنی آبادکاروں
میں شامل ہوتے جاتے ہیں۔

جزیرہ نما ملایا کے غیر ملکی باشندے

(از جناب عابد مسیح صاحب بی لے جھانسی)



جزیرہ نما کے ملایا میں رہنے والوں کی تین
فہمیں ہیں (۱) پرلے باشندے (۲) آبادکار (۳)
غیر ملکی باشندے۔

یہاں کے پرلے رہنے والے اب تک
غیر مذہب ہیں اور جنگلوں میں رہتے سہتے ہیں
آبادکاروں میں ملائی لوگوں کی اہمیت کا اندازہ

لے رہے ہیں۔ وہ لوگ جو دوسرے ملکوں کے رہنے والے
ہیں لیکن ہیٹھ کے لئے اس ملک میں آکر رہ گئے ہیں اور اس ملک
کو انھوں نے اپنا وطن بنالیا ہے۔ وہ لوگ جو دوسرے ملکوں کے
رہنے والے ہیں لیکن اس ملک میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آئے
ہیں بلکہ اپنی خاص ضرورتوں تجارت وغیرہ کی وجہ سے دنوں کیلئے
رہ پڑے ہیں۔

شمار میں یہ لوگ سو لاکھ ہیں۔ (ب) بنگالی۔ کچھ بنگالی بھی ملایا میں نوکری کے سلسلے میں پہنچ گئے ہیں۔ (ج) سنگالی۔ یہ لوگ سیلان یا لنکا کے رہنے والے ہیں۔ ان کی زبان سنگالی ہے جو بنگلہ، اردو، مرہٹی، گجراتی وغیرہ کی طرح زندہ زبان سمجھی جاتی ہے۔

۵۔ عرب، کچھ عرب بھی ملایا میں موجود ہیں شرمع شروع میں یہ لوگ اپنا مذہب پھیلانے یہاں آئے تھے۔

۶۔ یہودی۔ تعداد میں کچھ زیادہ نہیں ہیں تجارت کرتے ہیں۔

۷۔ ارمنی، ملک ارمن کے رہنے والے عیسائی یہ لوگ بھی تجارت کرتے ہیں۔

۸۔ اہل جاوا، ملائی لوگوں کی طرح یہ بھی مسلمان ہیں۔ جزیرہ نمائے ملایا سے ان کا ملکر تیب ہونے کی وجہ سے یہ اکثر یہاں آتے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ یہاں آکر آباد بھی ہو گئے ہیں۔

غیر ملکوں میں ان آٹھ گروہوں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی شامل ہیں۔ ان کی تعداد بہت کم ہے اسلئے ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۲۔ چینی۔ باہر سے آنے والے لوگوں میں چینیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ سنگاپور میں تو ان کی آبادی کل آبادی کی چوتھائی ہے۔ علاقہ سینانگ میں ان کی آبادی آدمی کے قریب ہے۔ دوسرے علاقوں میں ان کی آبادی ملائی لوگوں سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ پورے جزیرہ نمائے ملایا میں ان کی آبادی چھ لاکھ سے زیادہ ہے، یہ لوگ تجارت اور کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ کان کھودنے کے کام میں اور نج کے نوکروں کی حیثیت سے بھی یہ لوگ جا بجا پائے جاتے ہیں حقیقت میں ملایا کی خوش حالی کا دار مدار انھیں لوگوں پر ہے۔ یہ لوگ کفایت شعار، محنتی اور سہت والے ہوتے ہیں۔ علاقہ جوہو میں سرکاری مال گزاری کی نو دہائی بھی لوگ ادا کرتے ہیں۔

۴۔ ہندوستانی۔ ملایا میں تین مختلف مقامات کے ہندوستانی پائے جاتے ہیں۔ یعنی ۱۔ مدراسی۔ یہ لوگ زیادہ تر سرکوں پر قلیوں کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ بعض ریل کے ٹکے میں نوکری ہیں۔ کچھ مدراسی یورپ والوں کی کھیتی باڑی میں کام کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی مادری زبان تامل ہے

عجائب خانہ سمندر

(سید محمد عسکری صاحب)



تم نے قدرت کے کارخانے دیکھے،
سچ بتلاؤ، پریوں کی کہانیوں اور جھوٹے
نادلوں میں کہیں بھی ایسے انوکھے اور
دلچسپ اصول زندگی بتلائے گئے ہیں کہ
ایک جانور جس کے آنکھ ہے، نہ کان، ہاتھ
ہیں نہ پاؤں، کس طرح کھاتا، پیتا، سانس
لیتا اپنے لئے قلعہ بنا کر رہتا اور دشمنوں سے
بچنے کا انتظام کرتا ہے۔ یہی نہیں، بچے بھی جتنا
ہے۔ اور ان کی حفاظت بھی کرتا ہے اس بچ
کے بچے جب جھوٹے ہوتے ہیں تو فالوور
کے گولے کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ اور جب
ان میں کافی طاقت آجاتی ہے تو ماں باپ

کے جسم سے علیحدہ ہو کر اپنے لئے الگ گھر
بنا کر شروع کرتے ہیں۔ سوائے انسان کے
مخفیں کسی اور جانور میں یہ بات نہیں دکھائی
دے گی کہ ماں باپ کی چھوڑی ہوئی چیزوں
سے اولاد فائدہ اٹھائے۔ یہ بے غیرتی تو صرف
انسان کے لئے مخصوص ہے۔ یہ پانی کے
جانور بھی ہماری طرح بغیر ہڈی کے زندہ نہیں
رہ سکتے۔ ان کے جسم میں اس کا انتظام ہے
کہ ضرورت کے برابر ہڈی کو پانی سے جدا کر لیں
اس بچ گرم ملکوں کے دریا کا جانور ہے ٹینڈ
ملکوں میں کم زندہ رہتا ہے۔ اور کم تعداد میں
پایا جاتا ہے۔ مگر گرم ممالک کے سمندروں
میں تہ خالوں کے اندر اور چٹانوں کے آسیرے
میں پتھروں سے چمٹا ہوا ہزاروں لاکھوں
کی تعداد میں ہوتا ہے۔ اس کا کوئی خاص
رنگ نہیں ہوتا۔ بلکہ اطراف کے پتھر وغیرہ
کی مناسبت سے ہر رنگ اور وضع کا
اس بچ دیکھا گیا ہے۔ اس بچ کو انسان کے کام
کے قابل بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس غریب
جانور کے جسم کو پتھر سے کاٹ کر جدا کر لیتے اور
دبا دبا کر اس میں کالعب دار نشاستہ خارج

کر بیٹے ہیں۔ اور کچھ دنوں تک اس کوٹی میں
گاڑ کر رکھ دیتے ہیں، مٹی میں سے نکالنے کے
بعد اس کو گرم پانی میں پکایا جاتا ہے۔ کہ رہا سہا
لعاب بھی نکل جائے اور اسے بیچ کام میں آنے
کے قابل بن جائے۔ انسان نے اپنے فائدے
کے لئے اپنے اطراف کی مخلوقات کا قتل عام
جائز کر رکھا ہے اور اسی کو اپنی انسانیت کا
کمال سمجھتا ہے +

ایک رومن کہانی

آئمہ دولت خانہ بنت عبد اللہ ہارون

جب گریک بہادروں نے لڑائی میں
فتح پالی تو وہ واپس گریس کی طرف لوٹے واپسی
کئی گریک بادشاہوں کو عجیب عجیب اوقات
پیش آئے۔ لیکن سب سے انوکھا واقعہ
پولس اٹھانکے بادشاہ کو پیش آیا۔

پولس اپنے دوستوں کے ساتھ سب
سے پہلے ہی روانہ ہو گیا تاکہ جلد اپنی بیوی
پینلوپ دھچے سے ملے۔ دو چار روز ہی گزرے

تھے کہ ایک بڑا طوفان آ گیا۔ اور ان کی کشتی
بھٹک گئی۔ آخر سامنے ایک چھوٹا سا جزیرہ
نظر آیا۔ اور پولس اپنے دوستوں کے ساتھ
وہاں اتر گیا۔ چونکہ بادشاہ تھکا ہوا تھا، آرام
کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ اور دوسروں کو حکم
دیا کہ جا کر معلوم کریں کہ یہ کون سی جگہ ہے اور
یہاں کوئی بستی ہے یا نہیں۔ یہ لوگ تھوڑی
دور گئے تھے کہ سامنے ایک خوب صورت
محل دکھائی دیا لیکن حیرت کی بات تھی کہ
کسی انسان کا پتہ نہ تھا۔ البتہ محل کے احاطہ
میں قسم قسم کے جانور پھر رہے تھے۔ بجائے اس
کے کہ یہ جانور ان کو نقصان پہنچائیں یا ڈر کے
بھاگ جائیں وہ ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔
اور غمگین لگا ہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگو
ان میں ایک بوڑھا بھی تھا جس کا نام یورپوس
تھا۔ اسے جانوروں کو ایسی حالت میں دیکھ کر
بہت تعجب ہوا۔ ابھی یہ لوگ کھڑے محل کی
طرف دیکھ رہے تھے کہ محل میں سے گلے
کی آواز بلند ہوئی اور جنگل میں گونجنے لگی۔ آواز
انسی مٹیھی اور پیاری مٹیھی کہ بادشاہ کے سب
مصاحب بے تحاشا محل کی طرف دوڑ پڑے

”جب تم گلاس چرایا کرو تو ہمارے پاس لے آیا کرو، ہم قیمت دے کر خرید لیا کریں گے“ غلام نے کہا۔ بہتر ہے اور ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ اتفاق سے اس وقت سامنے ہی ایک گلاس رکھا تھا۔ غلام نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اچھا حضور مجھ سے یہ گلاس خرید لیں“

مامون، اچھا کس قیمت میں

غلام: دو دینار (اشرفیاں) میں۔

مامون: مگر اس شرط پر خریدیں گے کہ آئندہ تم گلاس نہ چراؤ۔ ورنہ جرم ثابت ہے تم کو سخت سزا دی جائے گی۔

غلام: بہتر ہے، آئندہ ایسا ہی ہوگا۔

مامون نے اسی وقت غلام کو دو دینار

دلوادیئے۔ غلام پر بادشاہ کی بڑوباری کا کچھ ایسا

اچھا اثر پڑا اور اس تدبیر نے وہ جادو کا کام

کیا کہ غلام سہم گیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ بادشاہ نے

جو کچھ کہا ہے وہ کر دکھائے گا۔ اب خیر نہیں

غرض اپنی چوری کی عادت سے اسی وقت توبہ

کر لی اور اس روز سے شاہی محل کی کوئی چیز

چوری نہ لگئی *

سوائے بوڑھے یورلو جس کے جسے جانوروں کو دیکھ کر ہی کچھ شبہ ہو گیا تھا۔

اسے یاد آ گیا کہ کہیں یہ سرس جادو گر

نہ ہو جس کے متعلق اس نے سنا تھا کہ وہ تنہا

ایک جزیرہ میں رہتی تھی اور جو کوئی اس جزیرہ

کی طرف جاتا کبھی واپس نہ آتا۔ اسی خیال میں

وہ وہیں بیٹھ گیا کہ پھر محل کا دروازہ کھلا، اور

کوئی سات آٹھ جانور نکلے۔ اس نے حیرت

سے دیکھا۔ پھر اسے یقین ہو گیا کہ ضرور یہ سرس

جادو گر ہی ہے جو انسانوں کو جانوروں

کی شکل میں تبدیل کر دیتی ہے *

مامون خلیفہ اور ایک حور غلام

(مولانا محمد حسین صاحب محوی)

بغداد کا مشہور و نامور خلیفہ مامون الرشید

نہایت بڑبڑا اور نیک مزاج خلیفہ تھا۔ اس کا

ایک نوجوان غلام روز پانی پینے کا گلاس

چرلے جاتا تھا۔ کئی بار ایسا ہی ہوا۔ آخر

مامون تارڑ گیا مگر سزا نہ دی۔ بلکہ موقع کا منتظر

رہا اور ایک روز موقع پا کر تنہائی میں اس کو کہا

اوکھلہ کی سپر

(عبدالحی - تعلیم درہ ششم - جامدہ - تعلیمی مرکز نیرا)



نے جو دوسری طرف نگاہ ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں
کہ ماسٹر صاحب مجھے گھور رہے ہیں۔ میں اسی
وقت پھر لیٹ گیا۔ اتنے میں ایک اور صاحب
نے آکر جھنجھڑا۔ اور کہا کہ کیا آپ کو خبر نہیں
ماسٹر صاحب نے کل کیا کہا تھا؟ مجھے اس وقت
یاد نہیں تھا اس لئے میں نے ڈانٹ کر لوجھا لیا
کہا "اس نے جواب دیا" کیا آپ اوکھلہ نہیں

چھٹی کا دن تھا، صبح کے کوئی ساڑھے آٹھ
بجے تھے، میں ابھی سویا ہوا تھا کہ نٹنے میں معلوم
کس (ڑکے نے آکر مجھے جھنجھڑانا شروع کیا۔
میں نے چاہا کہ اٹھ کر ذرا اس کا دل مغ درست
کر دوں۔ مگر میں نے کہا لاؤ ذرا ادھر ادھر
دیکھ تو لوں۔ اگر کسی نے دیکھ لیا اور ماسٹر صاحب
سے شکایت کر دی تو بڑے پھینسیں گے۔ میں

اس چپیں پیں میں سوڑنے بھی صدا دی
گھر . . . گھر . . . اور وہاں سے
تیر کی طرح اوکھلے کا رخ کیا۔

اوکھلے پہنچ کر ہم نے کھانا کھایا۔ پانی پیا اور دیا
کی سیر کو چلے۔ جس وقت ہم لوگ اوکھلے گئے
اس زمانہ میں اوکھلے کی نہر بالکل سوکھی تھی
ہاں بعض بعض گڑھوں میں پانی بھرا تھا اور
ان میں چھوٹی چھوٹی پھیدیاں اچھل اچھل کر
سونے کے پتروں کو شرمارہی تھیں۔ ہمیں
یعنی چھوٹے بچوں کو (جن میں میں بھی شامل ہوں)
بہت اچھا معلوم ہوا اور وہیں تیرنے لگے
ہم لوگ جب پانی میں بھیگ جاتے تو
نخل کر ریت میں جا بیٹتے۔ ریت میں لت
پت ہو جاتے تو پھر پانی میں چلے جاتے اور
نہاد ہو کر صاف ستھرے ہو جاتے غرض
اسی شغل میں شام ہو گئی۔ ۵

اسی شغل میں ہو گیا دن تمام
سمندر پہ لہر اگئی زلفِ شام
لاریاں تیار کھڑی تھیں، ان میں بیٹھ کر ہم
سب لوگ بورڈنگ آئے، کھانا کھایا، نماز
پڑھی اور بستر پر پڑ کر سو رہے۔ +

جس انا چاہتے۔ میں نے جو یہ سنا تو میری
خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ اسی وقت بستر پر سو کر
سامان کے کمرے میں جا کر کپڑے بدلے اور تیار
ہو، اپنے پلنگ پر جا کر لیٹ گیا۔

چھوٹے لڑکوں کی خوشی کا تو کچھ حال ہی نہ
پوچھئے۔ بعض دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ تو
بعض سڑک پر جا دھکے۔ اتنے میں ایک
لاری دوسرے نظر پڑی۔ بس پھر کیا ایک شور
و غل مچ گیا۔ مگر جب قریب پہنچی تو معلوم ہوا کہ
کچھ کچھ بھری ہے۔ سب اپنا سامان لے کر رہ
گئے۔ اس لاری کے گزرنے کے بعد ہماری
لاریاں پوں پوں کی صدا میں لگاتی دروازے
سے آ لگیں۔ بس پھر کیا تھا، کوئی یہاں
چڑھا کوئی وہاں بیٹھا، کوئی کہتا "یہ میری جگہ
ہے، کوئی کہتا "یہ میری جگہ ہے" جب سب
آرام سے بیٹھ گئے تو میں بھی ایک کونے میں
جا د بکا۔

بڑی دیر تک لاریاں کھڑی رہیں۔ تو
لڑکوں کا میٹھے میٹھے جی اکتا گیا کبھی یہ بچہ کہتا
اجی ڈرائیور صاحب سوڑ جلدی چلائے کبھی
وہ لڑکا کہتا "جانی ڈرائیور صاحب جلدی چلاؤ"

اُونٹ کی گردن لمبی کیوں ہوتی ہے؟

سید ابوطاہر اودوبنی۔ ایس۔ سی (لک)

بھائی جان نے چاکلیٹ کا پورا کبس ایک طاق پر رکھ دیا اور ہم سب سے کہہ دیا کہ اُچک اچک کر چاکلیٹ کی چٹنی ڈیاں نکال سکو اس میں سے نکال لو۔ سلیمان باجی قد میں ہم سب سے اونچی تھیں انھوں نے کھڑے ہو کر بہت اطمینان سے مٹھی بھر کر اچھی اچھی ڈیاں چن لیں۔ وہ عجیب نظارہ تھا جب ہر ایک اچک اچک کر مٹھائی لے لے کر بھاگ رہا تھا۔ جو قد میں لمبے تھے وہ تو خوب مٹھیاں بھر بھر کر چاکلیٹ کی ڈیاں لے رہے تھے۔ لیکن چھوٹے قد والوں کو باوجود اچکنے کے دو تین ہی ڈیاں ہاتھ لگتی تھیں۔

بھائی جان، دلہن بھابی، امی خالہ اور اور سلطان باجی ہم لوگوں کے ہاتھ پیر مارنے پر کھل کھلا کر ہنس رہی تھیں۔ میں اپنی کیا کہوں! عمر میں سب سے بڑا گیارہ برس کا تھا لیکن قد میں سب سے چھوٹا تھا۔ میری چھوٹی ہن طاہرہ جو صرف آٹھ برس کی تھی قد میں مجھ سے ڈیڑھ باشت نکلتی ہوئی

تھی۔ مٹھی میں چاکلیٹ لئے مزے سے کھا رہی تھی۔ میں رہ رہ کر کوشش کرتا تھا کہ سب سے پہلے میں ہی طاق کے قریب پہنچوں۔ مگر ریل پیل میں دھکوں کے مارے کہیں کا کہیں پہنچ جاتا تھا۔ میرے چہرے پر اس وقت عجیب مایوسی تھی، دلہن بھابی میری اس بے بسی کو دیکھ کر میرے پاس آئیں، میرا ہاتھ پکڑ لیا اور سب کو ہٹا کر مجھے دیوار کے پاس کھڑا کر دیا۔ چاکلیٹ میرے سامنے رکھی تھی۔ مگر برا ہو، اس ٹھنکنے قد کا کہ میرا ہاتھ نہ پہنچ سکا۔

بھائی جان سے میں نے کتنی خوشامدی کہ ہمیں کرسی رکھ کر تھوڑی سی چاکلیٹ نکال لینے دیجئے۔ مگر وہ بولے کہ اگر تم اچک کر لے سکو لے لو۔ ورنہ اپنے چھوٹے قد پر بیٹھ کر روؤ۔ آخر کیا کرتے۔ ہر ایک ہنس ہنس کر اپنی اپنی چاکلیٹ ہاتھ پر رکھ رکھ کر ہماری طرف بڑھتا تھا اور جب ہم لینے کو ہاتھ بڑھاتے تھے تو جھپٹ منہ میں رکھ کر ہمارا مذاق اڑانے لگتا تھا۔ ہم بخوں پر کھڑے ہو کر اچکے۔ انگور والی لومڑی کی طرح خوب خوب کودے۔ مگر ہاتھ نہ پہنچتا تھا۔ نہ پہنچتا۔ آخر ہم تھپ تھپ کر اپنا سامنے لے کر اماں کے پاس دوڑے۔ اور

ہمارے پیچھے سب کو کوکر کے اور قہقہے لگا کر تالیاں بجانے لگے۔ اس دن سے ”طاق پر کی چاکلیٹ“ ہماری چیز ہو گئی۔

ایک دن ہم نے ابلے کہا کہ ہمیں ڈاکٹر کو قد بڑھانے والی کوئی دوا دیکھئے۔ وہ ہنسنے لگے۔ بھائی جان بولے ”لاؤ میں تمہارا قد بڑھا دوں“ وہ اور سلطان باجی مل گئے۔ ایک نے میرے ہاتھ پکڑ لئے دوسرے نے پاؤں۔ ایک طرف بھائی جان کھینچتے تھے اور دوسری طرف سے سلطان باجی کھینچتی تھیں۔ آخر ابلے آکر رہائی دلائی۔ کہنے لگے ”تم واقعی ٹھنکے ہو۔ مگر بڑھ کر کچھ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ لمبے ہو جاؤ تو میں تم کو ایک کسرت بتاتا ہوں۔ تم میز پر لیٹ کر ہاتھوں کو سینہ پر رکھ لو۔ اگلے جسم کو میز کے باہر نکالو۔ اور بلا کسی کی مدد کے بدن کو اکڑا کر سینے کو اوپر اٹھاؤ اور نیچے جتنا بھی لے جا سکو لے جاؤ۔

اس کسرت کو کرتے دو مہینے ہو گئے۔ مگر اتنے کا اُتنا ہی رہا۔ آخر میں نے پھر ابلے سے کہا ”میرے یقین اس کسرت سے جاتا رہا۔ جب دو مہینے میں کوئی اثر نہ ہوا تو اگلے کیا ہو گا“ کہنے لگے۔

”تم نے اونٹ دیکھا ہے۔ اس کی گردن اور ٹانگیں کتنی لمبی ہوتی ہیں۔ کیا ہمیشہ سے اسکی ٹانگیں اور گردن ایسی ہی تھیں۔ بھینس یسٹن کر تعجب ہو گا کہ کئی ہزار برس پہلے اونٹ کا اُتنا ہی قد تھا جتنا معمولی گائے بھینسوں کا ہوتا ہے۔ اور گھوڑا صرف کتے کے برابر تھا۔ اونٹ جب گائے کے برابر تھا یہ کھیتوں اور چراگاؤ میں چرا کرتا تھا۔ اتفاق سے کھیت سب جل گئے اور اس کی جگہ ریگستان ہو گیا۔ زمیں پر چرنے کی کوئی چیز نہ تھی۔ چاروں طرف ریت ہی ریت تھی۔ کہیں کہیں لمبی لمبی جھاڑیاں اور گھوڑیں اور بھول کے اونچے اونچے پیڑ تھے اور بس ضرورت ایجاد کی ماں ہے، اونٹ بیچارہ بھوکا مرنے لگا۔ آخر اس نے اپنی دونوں اگلی ٹانگوں سے ایک ایک کر کے گردن پر لٹائی اور گردن کو تان تان کر کچھ ڈالیاں تو ڈرنی شروع کیں۔ ساری عمر ٹانگوں اور گردن پر زور دیتے اور کھینچتے گذر گئی۔ اس کے بچے ہوئے انھوں نے بھی یہی کسرت جاری رکھی ان کے بچے ہوئے وہ بھی یہی کرتے رہے۔ آخر ہزاروں برس کی محنت میں اونٹ بڑھنا

سالہ گھونگر یا لے بالوں والی لڑکی کو لئے سرسے
میں داخل ہوا۔ آنے والا ایک تیس سالہ جوان
فرانسیسی فوجی وردی پہنے تھا۔

عورت (سرے کی مالکہ) بولی۔ ”فلپ تم آگے“
فوجی نے صرف اتنا جواب دیا۔ ”ہاں۔ ہاں۔“
عورت نے پوچھا تم کیوں آگئے؟“

فلپ نے جواب دیا۔ ”افسوس، ماں میں برباد
ہو گیا۔ میں فوج سے بھاگ آیا ہوں۔ کیونکہ مجھے

اپنی بیوی سلسٹی اور اس بچی کا بڑا نکلہ تھا۔“

جب ہمارے گھر کو آگ لگا دی گئی۔ بیمار سی
سلسٹی جل کر مر گئی اور میں نے اس بچی کو آگ

سے بچایا۔ اور فوج سے بھاگ آیا ہوں۔“ وہ
سسکیاں بھرنے لگا۔

چھوٹی لڑکی اپنے باپ کے گلے سے چمٹ

گئی اور کہا۔ ”ابا تم کیوں رو رہے ہو؟ جب فوج

والوں کو پتہ چلے گا کہ تم نے مجھے کس بہادری سے

جلتی آگ سے نکالا تو وہ ضرور خوش ہوں گے۔“

اور تم کو معاف کر دیں گے۔“

آہ پیاری بچی، تم ابھی بہت کم سن ہو تم

فوجی سزاؤں سے ناواقف ہو۔ فوج سے بھاگنے

والوں کو جو سزا دی جاتی ہیں، ان کو سمجھنا

شروع ہوا۔ یہاں تک کہ آج ہم اس کی گردن
اس قدر اونچی اور ٹانگیں ایسی لمبی لمبی دیکھتے
ہیں۔ ہزاروں برس کو کشش کرنے کے بعد
اونٹ اس قدر لمبا ہو گیا۔ تم کم از کم کئی برس
تو کشش کرو تو دو ایک انچہ زیادہ بڑھ جاؤ گے
لیکن اگر چاہو کہ چند دن میں سب کچھ ہوجائے
تو ناممکن ہے۔“

کامیاب مھوکہ

(شیر محمد گجراتی)

شہرہ کا ذکر ہے۔ فرانس اور پریشیا
(Prussia) کے درمیان جنگ چھڑ گئی

سرحد کے کان بڑے خطرے میں تھے۔ ان

میں بھاؤ کی طاقت کوئی نہ تھی۔ ان کے لئے

صرف ایک امید باقی تھی۔ وہ ”ویڈیٹر“ کی پیادہ

تھی جو ان کی حفاظت کا آخری سہارا تھا پیادہ

ایک قلعہ کی طرح تمام گاؤں کو گھیرے ہوئے

تھی۔ گاؤں میں ایک سرے تھی۔ جس کی مالکہ

مادام وائن تھی۔ وہ کھانے کے کمرے میں داخل

ہو رہی تھی۔ کہ ایک نوجوان، ایک چھوٹی سات

فقیہ کی ایمانداری

جیواد صاحب

ایک ٹکسال میں اشرفیاں بنائی جا رہی تھیں، بادشاہ نے صرافوں کو حکم دیا کہ اشرفیوں کو پرکھیں۔ اور تول تول کر دیکھیں کہ سب برابر ہیں یا نہیں۔ اگر سب وزن میں ٹھیک ہوں تو ان کو شاہی خزانہ میں داخل کر دیں۔ صرف اس کام میں مشغول تھے کہ ایک فقیر نے آکر آٹھ آنے کا سوال کیا۔ سب نے اس کی طرف دیکھا مگر کسی نے بھی اس کا سوال پورا نہ کیا۔

فقیر ایک طرف الگ کو بیٹھ گیا۔ جب سب صراف اپنا کام ختم کر چکے اور اشرفیوں کو شاہی خزانے میں داخل کرنے کے لئے جانے لگے۔ تو اتفاق سے ایک بھیلی جس میں پانسو اشرفیاں تھیں بھول گئے۔ فقیر نے جب اس طرف نگاہ ڈالی تو بھیلی پڑی پانی۔ اٹھا کر ایک کونے میں دبا دی۔ تاکہ محفوظ رہے۔ خزانہ میں جب پانسو اشرفیاں کم نکلیں تو ان میں سے ایک صراف

متحاری عقل کا کام نہیں۔ وہ ابھی بات حتم نہ کرنے پایا تھا کہ دروازہ کھلا اور سرے کی ملازمہ داخل ہوئی۔

”مادام مسافر جو اوپر کے کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا مر گیا ہے۔“

فلپ ماں کے چہرے کی طرف حیرانی سے دیکھنے لگا۔ وہ تمام بات معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس کی ماں اس کا مطلب تاڑ گئی اور اس نے کہا: ”وہ بھی متحاری طرح ایک سپاہی تھا بالکل تمہارا ہم شکل اور ہم رنگ۔ اسے بخار آ گیا تھا۔ فوجی افسر اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ کر چلے گئے۔ لیکن وہ گرتے پڑتے یہاں پہنچا اور اب مر گیا ہے۔ دنیا میں اس کا رونے والا کوئی نہیں اور وہ غربت میں چل رہا ہے۔“

ملازمہ نے مالک سے پوچھا: ”مادام میری بہن سخت بیمار ہے۔ اگر آپ اجازت دیں، تو میں جا کر اس سے مل آؤں۔“
مالک بولی: ”مریم تم جاسکتی ہو۔“
(باقی)

توشہ خانہ کا امین بنا دیا ۴

جلد باز کسان

سعود الحسن قدوالی

بہت دن کی بات ہے کہ کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا کھیتی باڑی کے سوا اس کے پاس بکریوں کا بھی ایک بڑا گلو تھا۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے اس کے جی میں آئی کہ بکریاں بہت بڑھ گئی ہیں لاؤ انھیں پاس کے بازار میں لے جا کر بیچ ڈالوں کچھ روپیہ ہی ہاتھ آجائے گا۔ جس سے میں کام نکلیں گے۔ ورنہ اگر کہیں بیماری کا پھیرا ہو گیا تو معاملہ ہی صاف ہے۔

رات اسی ادھیڑ بن میں گزری۔ صبح ہوئی تو بارہ کو کھول کر بکریاں باہر نکالیں۔ آگے انھیں کیا اور پیچھے خود گھوڑے پر سوار ہو کر چلنا شروع کیا۔

راستہ اچھا خاصہ تھا کوئی چھ سات گھنٹے کے بعد بازار نظر آیا۔ بازار پہنچ کر دالوں سے ملا بھاؤ مانا ہوا۔ اور آخر کار ایک ہزار پر معاملہ

نکال میں آیا اور پھیلی کو تلاش کیا۔ مگر جب اسے اشرفیاں نہ ملیں تو اس نے فقیر کو پوچھا کہ ہم اشرفیوں کی ایک پھیلی یہاں بھول گئے تھے، کیا تو نے دیکھی ہے، فقیر نے جواب دیا: جی ہاں، صراف نے کڑک کر کہا کہ لاؤ اور لے لے، فقیر نے جہاں اشرفیاں دبا کھینچیں وہاں سے پھیلیا نکال کر صراف کے حوالے کر دی۔ صراف بہت متعجب ہوا اور پچاس اشرفیاں نکال کر فقیر کو اس کی ایمانداری کے صلہ میں دینے لگا۔

فقیر نے لینے سے انکار کیا۔ اس پر صراف بولا: یا تو صرف آٹھ آنے مانگتا تھا۔ یا اب پچاس اشرفیاں بھی منظور نہیں کرتا؟ فقیر نے جواب دیا: اگر تو مجھے آٹھ آنے دیدیتا تو یہ سیر سوال کا بدل تھا۔ اب جو تو پچاس اشرفیاں دیتا ہے وہ سیری نیک نیتی اور ایمانداری کا بدلہ ہے۔ جو مذہب نے مجھ پر فرض کی ہے بس میں اپنے دین کو دنیا کے مال کے عوض بیچنا نہیں چاہتا۔ یہ ذکر بادشاہ کے کانوں تک بھی پہنچا۔ اس نے فقیر کو بلا بھیجا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ صاحب جانتا ہے تو اسے اپنے

طے ہو گیا

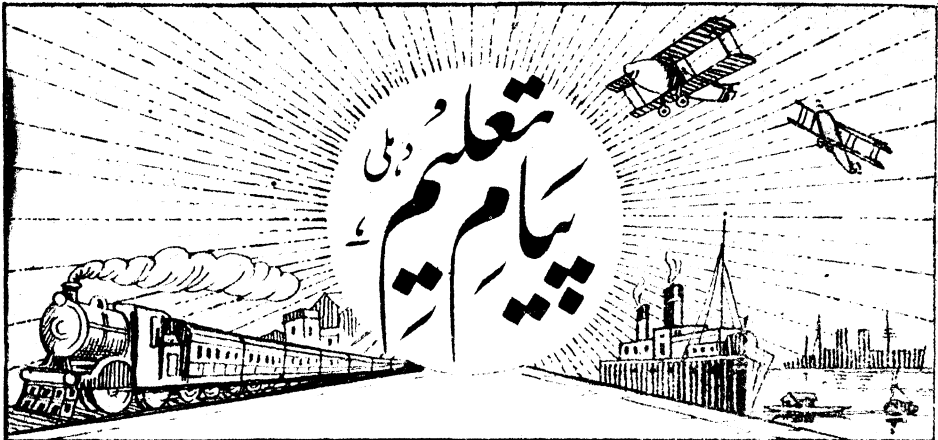
پر بیٹھ چل کھڑا ہوا۔

بکریاں خریدار کے سپرد کیں اور خود گھوڑے پر بیٹھ مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دور کے بعد ایک سرائے نظر آئی۔ کسان کو کچھ پیاس معلوم ہو رہی تھی۔ سرائے دیکھ کر اتر پڑا۔ گھوڑا میاں بھٹیارہ کے سپرد کیا۔ اور خود اندر جا کر پانی پینے لگا۔ پانی پی چکا تو باہر آیا اور اپنا گھوڑا مانگا۔ بھٹیارہ نے گھوڑا حاضر کیا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ میاں اس کے سپرد ایک کیل چھب گئی ہے۔ اسے نکال دیجئے تو آگے بڑھئے۔ ایسا نہ ہو کہ راستہ میں پریشانی اٹھانی پڑے۔ لیکن کسان نے اس کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ اور یہ کہہ کر گھوڑے پر بیٹھ گیا کہ مجھے جلدی مکان پہنچنا ہے کیل نکلو اور نکال دو دیر لگے گی اب وہیں گھر پر پہنچ کر دیکھا جائے گا۔

آدمی بے چارہ کیا کرتا یہ کہہ کر چپ ہو گیا کہ اچھا میاں تمہاری خوشی جو چاہے کروں نے تو ایک ضروری بات سمجھا دی۔ آگے تمہاری مرضی۔ لیکن یاد رکھو آگے بڑھتا ہاں گناہ مگر کسان اس کے بعد بھی نہ رکا اور گھوڑے

ابھی شکل سے ایک میل گیا ہو گا کہ گھوڑا باطل بیکار ہو گیا۔ بہتری کوشش کی۔ لیکن کوئی تدبیر نہ بن آئی۔ گاؤں ابھی کئی میل دور تھا شام ہو چکی تھی۔ کسان بہت گھبرا یا۔ لیکن کیا کرتا مجبور آپیدل چلنا شروع کیا۔ ذرا دیر میں باطل اندھیرا ہو گیا۔ راستہ ابھی کافی تھا۔ چند قدم شکل سے چلا ہو گا کہ ایک طرف درختوں کی آڑ سے چند آدمی آتے دکھائی دیئے۔ بات کی بات میں وہ باطل قریب آگئے۔ ایک نے بڑھ کر کسان کے ہاتھ پکڑ لئے دوسرے نے مکر بکڑی تیسرے نے گلا د بایا۔ چوتھے نے روپیوں کی تھیلی پر قبضہ کیا۔ غرض کہ ذرا دیر میں سارا سامان چھن کر ڈاکوؤں کے پاس پہنچ گیا۔ ڈاکو یہ سب لے پھر درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو گئے اور بے چارہ کسان روتا پیتا خالی ہاتھ واپس آیا۔

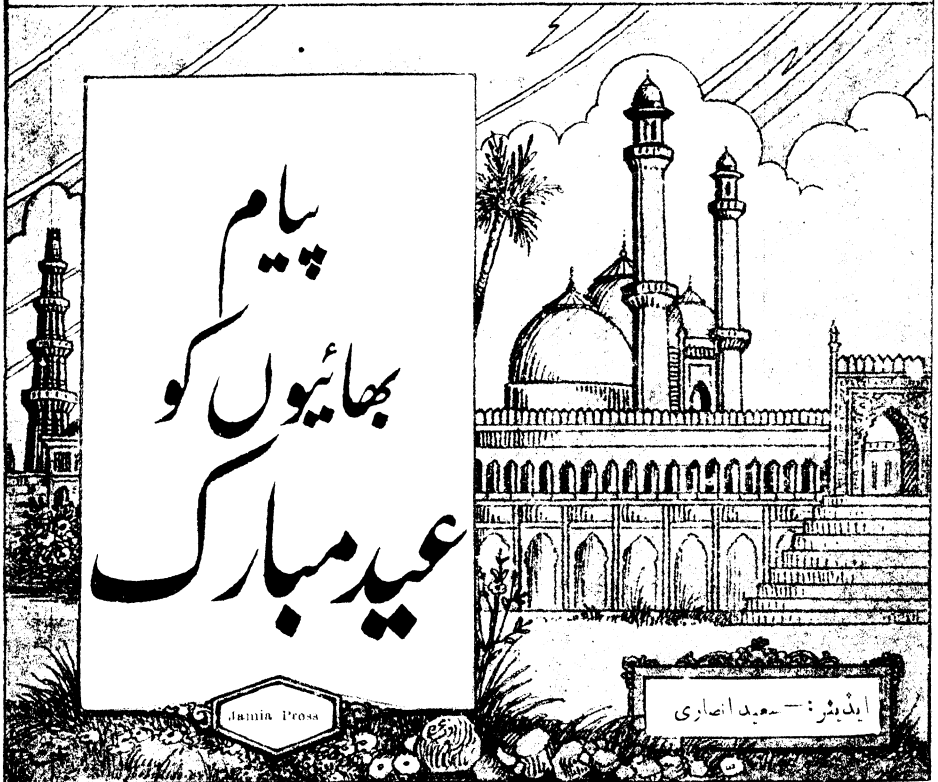
میں نے یہ سب سنا ہے



۷ اپریل سنہ ۱۳۳۳

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

جلد ۱۴ نمبر ۷



Jamia Press

ایڈیٹر: سعید انصاری

فہرست مضامین

۹۴	مولانا محمد حسین صاحب نحوی لکھنؤی	عید	۱
۹۹	سید محمد عسکری صاحب	عجائب خانہ سمندر	۲
۱۰۱	شیر محمد صاحب بگرامی	کامیاب و صحرک	۳
۱۰۲	غالب سیح صاحب بی بی بسے - جہانمی	ملایا کے پرلے پہنے والے	۴
۱۰۵	جیواد صاحب	عید کا چاند	۵
۱۰۶	بدر الدین صاحب پٹنی	وادی کا دل	۶
۱۰۸	سعید الدین احمد صاحب علی گڑھ	سما	۷
۱۰۸	احسان اللہ خاں صاحب شملہ جامعہ	بھول بھیلیاں	۸
۱۰۹	آلہ دولت خاتم	ایک روشن کہانی	۹
۱۱۰	عبد الملک صاحب	رُوت بے	۱۰
۱۱۳	سید ابو طاہر داؤد صاحب	سائیکل کا پیچگر	۱۱
۱۱۴	سید نصیر احمد صاحب بی بی لے جاسی	کیا کروں گا	۱۲
	آنہ نور شہید راج	لال خاں	۱۳

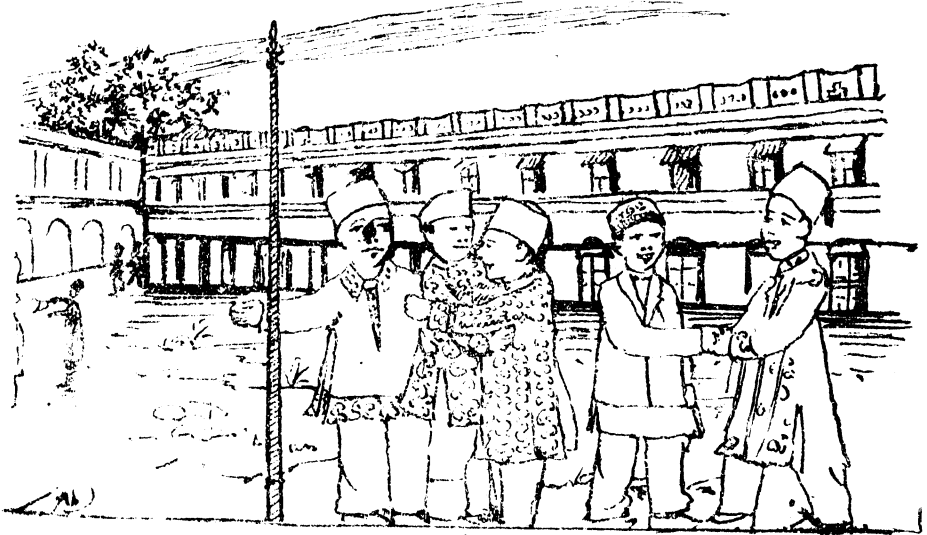
شکریہ

کسی پچھلے پرچہ میں ہم نے پیام بھائیوں سے پیامِ تعلیم کو کامیاب بنانے اور اس کیلئے نئے خریدار بننے کی درخواست کی تھی۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ بعض بھائیوں نے ہماری درخواست پر توجہ فرمائی۔ ہم ان کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں کیا اچھا ہو کہ دوسرے بھائی ابھی اپنے پرچہ کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔

انفوس ہے کہ اس مرتبہ بعض مضمون بہت دیر میں پہنچے، اس لئے شائع نہیں ہو سکے۔ ورنہ وہ اس پرچہ کے لئے بہت موزوں ہوتے۔ انشاء اللہ اگلے پرچہ میں ہم شائع کر دیں گے۔



(مولانا محمد حسین صاحب - محنتی)



ابھی اچھی چیزیں ہونگی،
لاکر گھر میں بیٹھ کے کھائیں

نئے نئے کھلونے لائے جن کو دیکھ کے جی لچاے
دو چار ایسے چن کر لانا
چھوٹا بھائی بھی خوش ہو جائے

نوٹہ اور تیراٹہ دونوں مانگیں گے گڑیاں ہی اکرے

نئے پکوانے عید آئی، عیش سرت گھر آئی
شکر خدا کا لازم ہے اب،
جس نے تمہیں یہ عید دکھائی
کھیلو کودو، بولو چالو
گھر سے نکلو، دیکھو بھاو
اگلے برس پھر آئے گا یہ دن
خوب سی خوشیاں آج مناؤ

آؤ چلو تو سیر کر آئیں پل کر کچھ بازار سی لائیں

دیکھنا کتنا خوش ہوتی ہیں،
لے کے تمھارے ہاتھ سے دونو

گڑیاں جسم بلبائیں گی بائیس ہی بس کھل جائیں گی
لج ہی زلیور بن جائے گا
پوشائیں بھی سل جائیں گی

حامد اور محمود بھی اٹھے آج تو خوش خوش کتنے سوئے
اپنی ماں سے ہے فرمائش
کپڑے پہناؤ، اچھے اچھے

آبا جان کو ساتھ لے گئے چلے بازار ان سو کہیں گے
پیسے جو اماں نے دیئے ہیں
ان کی چیزیں دلوادیں گے

(۲)

یہ تو سب کچھ ٹھیک ہے بچو خوشی مناؤ سبھی چاہو

پراک بات بتائیں ہم بھی
سن کے اگر تم اسکو مانو

تم نے جوانی بات ہماری ہوگی عزت بگیتیں ہماری
قدر کردان دو چہیزوں کی
وقت عزیز اور عمر ہے پیاری

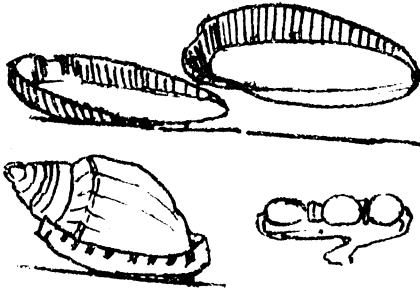
بڑا ہی یوں ہی وقت گزرتا تمکو بھی ہو بہت کچھ کرنا
عزت، شہرت دولت پانا
علم، ادب، مہنر سے سنو دنا

پیسے بچو، براج دلا رو اپنی ماں اور باپ کے پیار
جی کی ٹھنڈک، گھر کے اُجالو
دل کا سکھ اور آنکھ کے تارو
وقت اور عمر ہونمت دونو بیکار ان کو جانے مت دو
کام ان دونوں سے کچھ لو تم
پڑھو لکھو اور دل خوش رکھو

ہمارے ایک سحرز مضمون نگار جناب سید محمود علی صاحب کے ناہنخت بیمار ہیں۔ ان کی خواہش کے مطابق پیام بھائیوں سے درخواست ہے کہ ان کی تندرستی کے لئے دعا کریں۔

کاموتی اور عنبر نکالا جاتا ہے۔ پشیدہ دار جانور اور مچھلی کا بیان آگے آئے گا۔ عنبر اور موتی کے عجائبات کا اس وقت ذکر کیا جاتا ہے:-

۲۔ سیپ اور موتی:- کارل پالپ



(مرجان) اور اسنچ کے بیان میں تم نے پڑھا ہو گا کہ قدرت نے ان جانوروں کو یہ قوت عطا فرمائی ہے کہ پانی میں سے مادہ حاصل کر کے اپنی حفاظت کے لئے خول دار ڈھانچہ یعنی اپنے رہنے کے مکان بنالیں۔ بعینہ یہی کیفیت سیپ اور موتی پیدا کر نیوالے گھونٹنے کی ہے، موتی کے استعمال سے تو تم یقینی واقف ہو گے کہ اس کے بڑے بڑے قیمتی ہار، گلو بند، کچھے، کانوں کے بند سے مازو بند تاج اور گھڑیلوں کے ٹوڑے وغیرہ بنتے ہیں۔ سیپ سے قباؤں، کوٹوں، اور قیمتی صول کے بن بنائے جاتے ہیں۔ قلم

عجائب خانہ سمندر

(سید محمد سکرری صاحب جعفری)



۱۔ سمندر اور انسان کی ضرورتیں

اس عجائب خانے میں قدرت نے نہ صرف انسان کے دیکھنے اور سمجھنے کے لئے عجیب و غریب جاندار اور بے جان چیزیں مہیا کر رکھی ہیں، بلکہ ہمارے تمھارے کھانے، پینے، پہننے، اور صحت اور زیب و زینت کے لئے بڑا قیمتی سامان فراہم کیا ہے۔ ہر سال سمندر کروڑوں روپے کی مالیت کی مچھلیاں، ہینگے اور نمک نکلتا ہے۔ اور انسانوں کے کھانے میں آتا ہے۔ لاکھوں روپے کے پوستین یعنی ٹھنڈے ملکوں کے سمندروں میں رہنے والے جانوروں کی پشیدہ دار کھال انسان کے کام آتی ہے۔ اور اسی طرح لاکھوں ہی روپے

دوات، قلم تراش کے دستے، کاغذ تراش
تصویروں کے چوکھٹے، سنگریٹ اور سنگار
وان وغیرہ بنتے ہیں۔ اور سیپ کی بڑی بڑی
کوڑیوں سے خوب صورت قابیں، کُورے
پیالیاں اور شتریاں تراشی جاتی ہیں اگلے
زمانہ میں چھوٹی چھوٹی کوڑیاں پیسوں کا بھی
کام دیتی تھیں۔

گھونگا بھی اپنے جسم کے ارد گرد نہایت
مضبوط خول بنالیتا ہے اور اس خول کی دو
تہیں ہوتی ہیں۔ ایک تو کوڑی کے مانند
اگہرا ہوتا ہے دوسرا دھواں اور دونوں خول
اس طرح بنے ہوتے ہیں کہ گھونگا اندر بیٹھ کر
دروازے کے پٹوں کی طرح دونوں خول بند
کر سکتا ہے۔ باہر سے دیکھنے کو یہ خول یعنی
سیپ (کتنا ہی کھردرا اور ناہموار ہے مگر اندر
کی طرف نہایت صاف، چمکدار اور خوبصورت
ہوتا ہے۔ اور اس کے دونوں کوڑا ایسے مضبوط
جسمے ہوتے ہیں کہ آسانی سے نہیں کھولے
جاسکتے۔ اور اس طرح پر اس ڈھانچے کے
اندر یہ گھونگا قلعہ بند زندگی گزارنا چاہتا ہے۔
مگر جس کے دریائی جانور سے یہاں بھی چین نہیں

لینے دیتے۔ کبھی اسپنج حملہ کر دیتا ہے، کبھی
اسٹارفش۔ اسپنج کے حملہ کا طریقہ یہ ہوتا ہے
کہ وہ گھونگے کے خول میں سوراخ کر کے اندر
پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا بچاؤ
گھونگا اس طرح کرتا ہے کہ اسپنج کے بنائے
ہوئے سوراخوں کو بند اور اپنے خول کو مضبوط
کر لے۔ تم جانتے ہو لڑائی کے دوسرے ہوتے
ہیں۔ کبھی اسپنج کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور
کبھی گھونگا بازی لے جاتا ہے۔ اسپنج کی
کامیابی گھونگے کی موت ہوتی ہے۔ وہ اسے
سیپ سے نکال کر کھا جاتا ہے۔ گھونگا
بازی لے گیا تو اپنے خول کے سوراخوں کو
اس تیزی اور پھرتی سے بند کرتا ہے کہ اسپنج
صاحب کو بھاگتے ہی بن پڑتی ہے۔

کبھی کبھی اسٹارفش سالم سیپ کو نگل
لیتی اور گھونگے کو مجبور کر دیتی ہے کہ سیپ
کے کوڑا کھول دے۔ اس کے علاوہ بہت
سی مچھلیاں اور بھی ایسی ہیں جو سیپ میں
آسانی سے سوراخ کر کے گھونگے کے اعبار
جسم کو چوس لیتی ہیں۔ بڑے بڑے لیکرٹے
بھی اپنے زبردست جبرٹوں سے سیپ کو

پہن لو۔“

تھوڑی دیر میں لباس تبدیل ہو گئو
بوڑھی عورت مردہ سپاہی کے سر ہانے
بیٹھ کر رونے لگی اور کہتی جاتی تھی ”سے
میرے جواں مرگ بیٹے میرے پیارے
بیٹے“

دروازہ زور سے کھلا۔ فوج کا کپتان
آگے بڑھا۔ اور فلپ کی طرف جا کر بولا ”
میں تم کو بادشاہ کے نام پر فوج سے بھاگنے
کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں“
”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا نام انسٹ
ہے۔ میں فوج میں ملازم نہیں“ فلپ نے جواب دیا۔
ایک دوسرا سپاہی بولا ”فلپ تو چار
پانی پر مردہ پڑا ہے“

تمام سپاہی فلپ اور مردہ سپاہی کی
لمبی جلنے والی شکل کو دیکھ کر حیران تھے۔ وہ سمجھ نہ سکو
کہ اصلی فلپ کون سا ہے۔

تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کپتان بولا۔
”میں نے اصلی فلپ کے معلوم کرنے کا ایک
طریقہ سوچا ہے۔ کوئی جا کر چھوٹی لڑکی کو جو ہمیں
سیڑھیوں پر ملتی تھی“ بلالائے۔ ہم اس سے

کچل ڈالتے ہیں۔ بہر حال انسان کے سوا
باقی تمام حیوانوں میں زندگی کا یہ رنگ ہو کہ
ایک دوسرے کو مارنے اور اپنی جانیں
بچانے میں ساری عمر صرف کر دیا کرتے ہیں

کامیاب دھوکہ

(مشیر محمد - گجراتی)

جب میرم کمرے سے چلی گئی تو فلپ
کھڑکی کی طرف بڑھا۔ لیکن فوراً پیچھے ہٹ
گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا اور
اس کے لب خشک اور بالکل سفید تھے۔
”ماں وہ مجھے پکڑنے آ رہی ہے۔
افسوس ہیں تباہ ہو گیا وہ مجھے واپس لے
جائیں گے اور سزا دیں گے“

بد نصیب ماں نے جواب دیا ”نہیں
وہ تمہیں پکڑ نہیں سکتے میں تم کو بچا لوں گی
یا کہیں چھپا دوں گی۔ مجھے بہت سے طریقے
یاد ہیں۔ تم فوراً مردہ سپاہی کو اوپر جا کر
اپنی وردی پہنا دو۔ اور خود دوسرے کپڑے

آئندہ آپ کو تکلیف نہ دہی جائے گی۔

سپاہیو! چلو

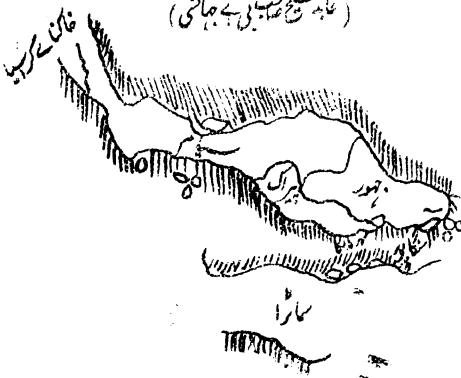
فوجی افسر اور سپاہی چلے گئے۔

”میری پیاری بیٹی میری! باپ نے حیرانی سے کہا۔

”پیارے ابا خدا کا شکر ہے کہ میں تم کو بچانے میں کامیاب ہوئی۔ اب ہم دونوں آزاد دہی سے داد دہی اماں کے پاس رہیں گے

ملایا بکے پرانے رستے والے

(عابد سنجہ جاتی ہے جانی)



ہم ان لوگوں کا کچھ حال بیان کر چکے ہیں جو دوسرے ملکوں سے جا کر جزیرہ نمالیا میں

معلوم کر لیں گے کہ اس کا باپ کون ہے؟
فلپ اس خیال سے گھبرا گیا لیکن سانس روکے کھڑا رہا۔ ایک سپاہی لڑکی کو بلالایا اور اس سے پوچھا۔ پیاری لڑکی بتاؤ کہ تمہارا باپ کون سا ہے؟ وہ جو کھڑا ہے یا جو چار پانی پر مردہ پڑا ہے؟

لڑکی ذرا رکی۔ لیکن پھر نہایت دلیری سے آگے بڑھی اور چار پانی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی۔ ”میرا باپ یہ سو رہا ہے“
کہتاتان نے پھر پوچھا کہ کون سا دوبارہ بتاؤ؟

میرا باپ وہی ہے جو مر چکا ہے۔ میرے پیارے ابا! کیا تم میری بات سن رہے ہو۔ میں تمہاری پیاری بیٹی میری ہوں“ لڑکی نہایت درد سے رونے لگی۔ شہادت کافی مل گئی اور یقین کے قابل تھی۔

”تمہارے مردہ باپ کی یاد میں میں تمہارا ایک بوسہ لیتا ہوں۔ پیاری بیٹی وہ ہماری فوج کا ایک جوان تھا“ اس نے لڑکی کا سنہ چوما اور پیار کیا۔ پھر وہ فلپ سے مخاطب ہوا۔
”میں آپ سے گستاخی کی معافی چاہتا ہوں

سوداگری وغیرہ کرتے ہیں۔ اب ہم وہاں کے اصلی باشندوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ ملایا کے اہل باشندے یعنی سبک پرانے رہنے والے جنگلی ہیں۔ یہ اندر کے جنگلوں اور ساروں میں رہتے ہیں۔ شہروں اور گائوں کے تھنے والوں سے ان لوگوں کو کچھ طلب نہیں۔ ان جنگلی لوگوں کے تین قبیلے یا تہیں گروہ ہیں۔ یہ سب ایک سے نہیں ہیں بلکہ ان کی شکل صورت اور رہنے سہنے کے ڈھنگ الگ الگ ہیں۔ ان کے نام سنو، ۱۔ سیمانگ (۲) سکائی (۳) جاکن۔

۲۔ سیمانگ گروہ کے لوگ تہذیب میں سب سے پیچھے ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر علاقہ پیراک اور دریائے پیراک کے مغرب کی طرف رہتے ہیں۔ ان کا رنگ کالا اور قد چھوٹا ہوتا ہے۔ ان کے بال حبش کے آدمیوں کی طرح اُلجھے ہوئے سے ہوتے ہیں۔ ان کی لمبائی صرف چار فٹ آٹھ انچ ہوتی ہے۔ یہ لوگ بالکل جنگلی ہیں۔ بہت ضرورت ہوئی تو پیروں کی ڈوبیاں توڑ کر ان سے جھونپڑے سے اپنے رہنے کے لئے بنالیتی ہیں۔ ورنہ دیس ہی اُدھر

اُدھر غاروں وغیرہ میں جاگتے ہیں۔ سیمانگ مکان بنانا بالکل نہیں جانتے یہ لوگ سنگے لپٹتے ہیں اور ٹھنکی کرنا نہیں جانتے۔ پھل پھلاری۔ پیروں کی جڑیں، پھلیاں وغیرہ جو کچھ ہاتھ آگیا اس سے پیٹ بھر لیتے ہیں۔ یہ لوگ تیر کمان بنانا جانتے ہیں اور زہر تیر چلا کر کبھی کبھی جانوروں کا شکار کر لیتے ہیں۔

۳۔ سکائی۔ ملی علی نسل کے ہیں۔ جو بگھیں شمالی پیراک اور جنوبی پاسنگ کے بیچ میں ہیں۔ یہ لوگ وہاں رہتے ہیں۔ سیما کے مقابلہ میں یہ لوگ ذرا لمبے اور صاف رنگ کے ہوتے ہیں۔ ان کے بال لمبے لمبے اور لہرتے ہوئے ہوتے ہیں۔ سکائی بانسوں کے جھونپڑے بنا کر ان میں رہتے ہیں۔ یہ چاول مٹی کی کاشت کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی عادت ہے کہ تھوڑا سا جنگل صاف کر کے اس میں رہتے ہیں اور اگر ان کا کوئی آدمی مرجائے تو فوراً پرانی جگہ چھوڑ دیتے ہیں اور نیا جنگل کاٹ کر اس میں جھونپڑے بناتے ہیں۔ ان لوگوں کی وجہ سے ملایا کے بعض عمدہ عمدہ جنگل خراب ہوتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ بانسوں کے تیر کمان

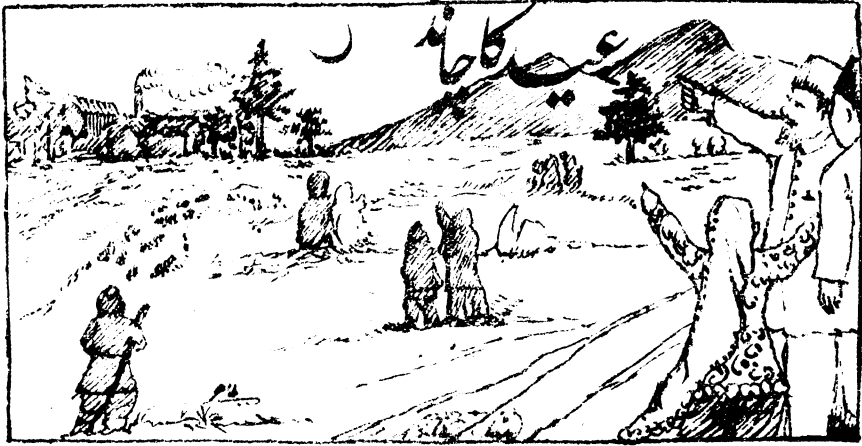
گروہ جزیرہ نما ملایا کے دوسرے رہنما والوں سے خاص کر ملائی لوگوں سے بہت دُرتے ہیں۔ شمار میں سیانگ سے سکائی لوگ کچھ زیادہ ہیں۔ لیکن ملا کران دونوں کا شمار میں ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔

جاکن۔ یہ لوگ جو ہور کے علاقہ کے اندر اور ان جگہوں میں رہتے ہیں جو پانہنگ کے علاقے کے پورب اور دکھن کی طرف ہیں۔ ان لوگوں کے بال ملائی لوگوں کی طرح سیخے اور روکھے روکھے ہوتے ہیں۔ جاکن گروہ نے ملائی لوگوں کی زبان اور ان کے سہنے سہنے کے ڈھنگ اختیار کر لئے ہیں۔ یہ لوگ قریب قریب سب باتوں میں اُن ملائی لوگوں سے ملتے جلتے ہیں، جو کنارے سے دور اندر کی طرف رہتے ہیں +

بنانا اور نہریلے تیروں سے جانوروں کا شکار کرنا بھی جانتے ہیں۔ سکائی تھوڑی بہت تجارت بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی جنگلی پیداوار یعنی اور ملائی لوگوں کو بیٹے ہیں۔ چینی اور ملائی لوگ جنگلی پیداوار کے بدلے میں ان لوگوں کو نمک اور تبا کو وغیرہ دیتے ہیں۔ سکائی اور جانوروں کا گوشت تو کھاتے ہیں لیکن گائے کا گوشت نہیں کھاتے +

تیسرے گروہ یعنی جاکن کا حال بیان کرنے سے پہلے ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ بعض سیانگ اور بعض سکائی شکل صورت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کسی زمین میں یہ دونوں گروہ آپس میں شادی بیاہ کر لیتے تھے۔ اس وقت تو سکائی گروہ کے لوگ سیانگ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سکائی اور سیانگ دونوں گروہوں کے مذہب کا حال بھی سن لو۔ یہ لوگ دو طرح کی رواجوں کے قائل ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کچھ رواجیں اچھی ہیں جو ان کو فائدہ پہنچاتی ہیں اور کچھ رواجیں بُری ہیں جو ان کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ یہ دونوں

آپ کو اپنا نمبر خریداری یاد ہے اگر یاد نہ ہو تو مہربانی فرما کر پتے کی چٹ پر ملاحظہ فرمائیے۔ خط کتابت میں نمبر کے حوالے سے بڑی سہولت ہو جاتی ہے۔ ورنہ بسا اوقات جواب دینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ براہ کرم اسے نہ بھولیں۔ "مہتمم"



(ایضاً صاحب)

غید کا چاند دکھار دیا تھا۔

ایک ایک کر کے ہر شخص خوشی خوشی اپنے
اپنے گھر کو روانہ ہوا۔

رات کافی جا چکی تھی۔ لیکن ہر طرف

چہل پہل دن کی سی تھی۔ زریںہ غریب بیوہ

زریںہ بیوی چادر ڈالے اپنی کچی جھونپڑی سے

نکلی۔ بھوک کی شدت سے وہ پل نہ سکتی

تھی۔ سردی کی وجہ سے اس کا تمام جسم سن رہا

تھا۔ اس کی پانچ سالہ لڑکی اس کی گود

میں بے ہوش تھی۔ دو دن سے کچھ کھانے کو

نہ ملا تھا۔ آج اس کی ماں پہلی مرتبہ اپنی بھوکی

بچی کی خاطر بھیک مانگنے نکلی تھی وہ ایک

آسمان صاف ہے۔ آج عید کا چاند

ضرور نظر آئے گا۔ ہر شخص کی زبان سے یہی

الفاظ سنائی دے رہے تھے۔ ہر ایک نیا بیت

بے صبری سے سورج غروب ہونے کا انتظار

کر رہا تھا۔ جوں جوں سورج ڈوبتا جاتا تھا،

لوگوں کی نظریں آسمان کی طرف اٹھتی جاتی

تھیں۔

کھلے میدان میں لاتعداد مخلوق جمع

تھی، امیر غریب، چھوٹا بڑا، سب کی نگاہیں

آسمان پر عید کا چاند تلاش کر رہی تھیں۔

یکایک ”وہ رہا!“ کی آواز گونج گئی۔ ہر

انسان انگلی اٹھائے ایک دوسرے کو

کر خوشی مناؤ۔ وہ چاہتا ہے کہ تم پڑھ لکھ کر قابل بنو تاکہ دنیا کو اس مصیبت سے نجات دلا سکو۔ کیا تم عید کے چاند کی بات مانو گے؟

داؤ کی کا دل

(بدردین صاحب دینی اہل علم جامعہ ہندو دہلی)

شام کا وقت ہے۔ سورج کی کرنوں کی پھسکی اور زرد روشنی مکانات کی دیواروں اور عمارتوں کے میناروں پر پڑ رہی ہے۔ ہوا بھی ٹھنڈی چل رہی ہے۔ جو لوگ صرف پاجامہ اور قمیض پہنے بازار میں گھوم رہے ہیں انہیں سڑی سی محسوس ہو رہی ہے۔ اس وقت مشہور چینی حکیم کوپن کی پالکی ڈاکٹر دولن دین کے دفتر کے پاس آکر رکی ہے۔ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر دولن دین کا سات برس کا بچہ سخت بیمار ہے۔ یہ حکیم صاحب اسی کو دیکھنے آئے ہیں۔ جس وقت حکیم صاحب بچہ کو دیکھنے گھر میں گئے ڈاکٹر کے دروازے کے قریب تماشہ دیکھنے والوں کا اچھا خاصہ ہجوم ہو گیا یہ آوارہ قسم کے لوگ تھے، دن بھر بازار میں ادھر ادھر

مالی شان عمارت کے دروازہ میں داخل ہوئی اور خاموش کھڑی ہو گئی۔ اس کی سچہ ہیں۔ آتا تھا کہ کیا کہے۔ اس نے کبھی بھیگ نہ مانگی تھی۔ وہ اسی طرح خاموش کھڑی ان لوگوں کو دیکھتی رہی۔ جو سامنے میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ادھر ادھر بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ ہر بچہ اپنے اپنے کپڑے ایک دوسرے کو دکھا دکھا کر خوش ہو رہا تھا۔ ایک پلاؤ کتا دم ہلاتا ہوا میز کے چاروں طرف گھوم رہا تھا۔ لوگ کبھی روٹی کا ٹکڑا کبھی گوشت کی بوٹی اس کی طرف پھینکتے تھے۔ وہ دوڑ کر لے نکل جاتا۔ یکا یک ایک کمزور آواز اس عشرت کدہ میں سنائی دی۔ سب کی نظریں دروازہ کی طرف پھریں۔ زردینہ کھڑی کچھ کہہ رہی تھی۔ ”دروازہ بند کرو“ یہ آواز مٹی جو وہاں سے آئی اور منٹوں میں کتے سے بدتر زردینہ مکان سے باہر کر دی گئی یہ ہے مہذب انسانوں کی حالت۔ عید کے چاند نے یہ حالت دیکھی تو شرمندہ ہو کر دنتوں اور پہاڑوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔ کیوں؟ پیام بھائیو! وہ نہیں چاہتا کہ تم اسے دیکھ

گھومتے رہتے تھے اور جہاں کہیں کوئی خاص بات ہو جاتی تھی تو گو یا انھیں دن سہی کا سامنا ہوا کرتا تھا۔

مجمع میں سے ایک شخص کہنے لگا: دیکھا!

دولن دین اور اس کی بیوی دونوں ڈاکٹری کرتے ہیں۔ لوگوں کو ان پر بڑا بھروسہ ہے۔ ڈاکٹری بھی خوب چل رہی ہے۔ مگر اب خود ان کے گھر میں بچہ بیمار ہے تو علاج کے لئے دوسروں کو بلاتے ہیں۔ کس قدر احمقوں کی سی حرکت ہے۔ اس کے بعد کون ان پر اعتماد اور بھروسہ کرے گا؟ دوسرا کہنے لگا ہاں بھی تم ڈاکٹری کی باتیں کیا جانو۔ ڈاکٹر دوسروں کا علاج تو کر سکتا ہے مگر اپنا علاج نہیں کر سکتا بے چارے کو دوسروں کا دروازہ دیکھنا پڑتا کہ اس پر مجمع میں خوب قہقہہ لگا۔ مگر ان بیوقوفوں کو گھر کی حالت کی کیا خبر۔ بات اصل یہ ہے کہ اس بچہ کو جس کا نام دیار تھا سخت بخار چڑھا ہوا تھا۔ دولن دین اور اس کی بیوی نے مرض اچھی طرح پہچان لیا تھا۔ نسخہ بھی لکھ دیا گیا تھا ڈاکٹری علاج کے مطابق مرض دور کرنے کے لئے برف سر پر رکھنا تجویز ہوا تھا۔ مگر دیار کی

دادی اماں ابھی زندہ تھیں اور بچہ سے بے انتہا محبت کرتی تھیں۔ انھوں نے جو یہ سنا کہ بچہ کا بخار برف سے اتارا جا رہا ہے تو بہت جھلائیں۔ کیونکہ انھوں نے اپنی زندگی میں ایسا علاج نہیں دیکھا تھا۔ غصہ میں بڑ بڑانے لگیں اور دولن دین سے کہا: کیا تم اس کی ننھی سی جان بے لگے؟

ماں کا غصہ دیکھ کر دولن دین نے برف استعمال کرنے کی وجہ بیان کی اور کہا: یہ بہت ہی اچھی ترکیب ہے۔ جب میں ڈاکٹری پڑھتا تھا تو اسے کئی دفعہ آزمایا تھا۔ اور اب بھی جب کوئی اس قسم کا مریض ہوتا ہے تو اسی طریقہ سے اس کا علاج کرتا ہوں اس میں ذرا بھی خطرہ نہیں۔ مگر بڑی بی بی نے بیٹے کو ملامت کرتے ہوئے کہا: میں مختاری بات نہیں مانتی۔ اگر تم اس طرح علاج کرو گے تو مجھے ڈر ہے کہ نہ جانے کتنے لوگوں کی جانیں بے لگے۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ بخار برف سے دور کیا جاتا ہے، تم چھوڑ دو میں اس کا علاج کر لوں گی۔



نیچے ایک دلچسپ معما لکھا جاتا ہے۔ یکم مئی تک اس کا جواب آجانا چاہئے جن صاحب کا حل صحیح ہوگا، ان کی خدمت میں ایک خوب صورت سی کتاب پیش کی جائے گی۔

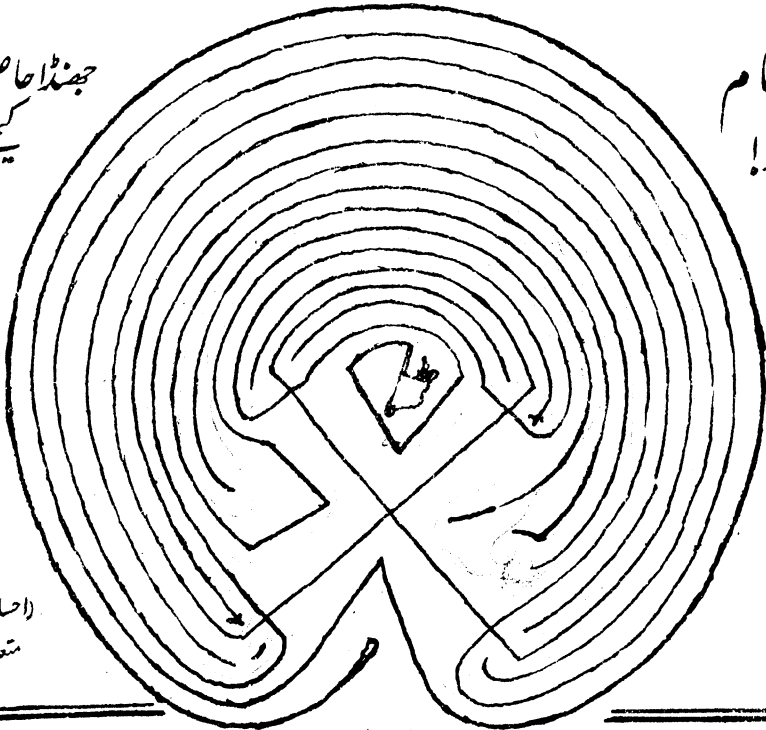
(مبین الدین احمد ۳۳ عثمانیہ ہسپتال علی گڑھ)

سامنے انسان اک آ یا نظر
اور لگا کہنے کہ لے نورِ نظر
تجھ پہ قرباں میں نہیں تیرا پلہ
کیا تعلق ان کا ہے با یک دگر

ایک لڑکا جا رہا تھا اپنے گھر
لے لے بچہ کو اپنی گود میں
تو مرا اپنا ہی بیٹا ہے مگر
کوئی اب اتنا تو مجھ کو لے بتا

جھنڈا حاصل
کیجئے!

پیام
بھائیو!



(احسان اللہ خاں)
متعلم جامعہ

ایک مہینہ کہانی

(۲۱) آئندہ دولت خانم

اب گالنے کی آواز بھی بند ہو گئی تھی۔
یور لوپس ہانپتا ہوا پولس کے پاس گیا اور
اسے سارے قصہ کہہ سنایا کہ اس کے مصاحب
جانوروں کی شکل میں تبدیل ہو گئے ہیں اور
وہ خود اپنی خیر چاہتا ہے تو یہاں سے نکل
جائے۔ لیکن پولس نے کہا میں اپنی دوستوں
کو ایسی حالت میں چھوڑ کر ایک قدم بھی اٹھا
نہیں سکتا۔ یور لوپس نے بہت سمجھایا لیکن
پھر بھی پولس نہ مانا۔ اور اسے وہیں چھوڑ کر
خود آگے بڑھا کہ اسے مرکبوری جو گر یک
خداؤں کا قاصد تھا ملا اور وہیں خدا کی طرف
سے ایک جادو کی لکڑی پیش کی۔ اس میں
یہ خوبی تھی کہ اگر شاہ اس لکڑی کو پکڑے رہے
گا تو سرس کا جادو اس پر نہ چلے گا۔ شاہ
نے شکر یہ ادا کیا اور محل کی طرف بڑھا کہ اسے
گلنے کی آواز آئی۔ شاہ بے خود ہو گیا اور چٹا
تھا کہ لکڑی وہیں چھوڑ کر آگے بڑھے کہ پھر

اسے اس کی خاصیت یاد آگئی اور لکڑی کو
مضبوط پکڑے ہوئے محل میں داخل ہوا
سائے ایک بہت بڑا ہال تھا پنج میں ایک
بنگمگاتا ہوا تخت رکھا تھا۔ جس پر سرس
بٹھی ہوئی تھی، شاہ کو دیکھ کر اٹھی اور گاتے
ہوئے آگے بڑھی اور پولس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
پھر اسے ایک دوسرے کمرے میں لے گئی
جہاں طرح طرح کے لذیذ و نفیس کھانے چنے
ہوئے تھے۔ سرس نے اپنا گانا جاری رکھتو
ہوئے شاہ کو کھانے کا اشارہ کیا۔ پولس
نے لکڑی ہاتھ میں پکڑے ہوئے کھانا کھایا۔
اب سرس چپ ہو گئی اور اپنی جادو کی لکڑی
پولس کے سر پر پھرائی۔ اور کہا پولس
جاؤ آج سے تم شیر ہو، لیکن پولس پر کچھ اثر
نہ ہوا۔ اب سرس غصے میں پھر گئی اور چاہا کہ
پولس کو قتل کرے۔ لیکن پولس پہلے ہی تو
تیار تھا۔ تلوار لئے سرس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس
سے کہا کہ سب جانوروں کو جلد انسان بنا دو۔
سرس نے پہلے تو انکار کیا لیکن پولس نے
جب تلوار اس کی گردن پر رکھ دی تو اس
نے سب جانوروں کو اندر بلا کر ان کی اصلی

جی اور مولانا محمد علیؒ۔ ہمارے مدرسہ جامعہ ملیہ میں آج کل ایک ترک رُوف بے آئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے بھی انور پاشا اور کمال پاشا کی طرح اپنے ملک اور قوم کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور مصیبتیں جھیلیں ہیں۔ یہ ترکی حکومت کے وزیر اعظم بھی رہ چکے ہیں، لیکن اب کچھ عرصے سے ترکی سے باہر رہتے ہیں۔ ہمارے امیر جامعہ (Chancellor) ڈاکٹر انصاری صاحب آپ کے دوست ہیں، انھیں کے بلانے پر آپ جامعہ آئے ہیں۔ آؤ ہم تمہیں ان کے کچھ حالات سنائیں :-

آپ طرابلس میں پیدا ہوئے تھے۔ پورا نام حسین روف ہے، اور بے جوصل میں بیگ ہے، ترکی کا ایک خطاب ہے، جو وہاں بڑے لوگوں کو دیا جاتا ہے۔

لڑائی کا شوقین تو ترکی کا ہر بچہ ہوتا ہو، مگر رُوف بے کو سمندر کی لڑائی کا خاص شوق تھا۔ ۱۱ برس کی عمر تک تو آپ نے عام تعلیم حاصل کی مگر بارہویں سال میں قدم رکھتے ہی ایک جنگی مدرسہ میں داخل ہو گئے۔ جہاں جہاز

صورت میں تبدیل کر دیا اور خود غائب ہو گئی اس کے بعد پھر کسی نے سرس کا نام نہ سنا۔ یہ ہے ایک پرانی روغن کہانی۔ جو اگلے زمانے میں ہر ایک روغن بچے کو بہاؤ بنانے کی غرض سے یاد کرائی جاتی تھی تاکہ وہ بھی بڑا ہو کر اسی طرح بہادر بن سکے۔ اور اپنے دوستوں کی جان بچائے *

رُوف بے



پیام بھائیو! اتم نے مصطفیٰ کمال پاشا اور غازی انور پاشا کا نام تو ضرور سنا ہو گا۔ اور تم میں سے بہت کچھ لوگوں نے ان کے حالات بھی پڑھے ہوں گے۔ ترکی کے یہ ایسے ہی بڑے آدمی ہیں جیسے ہمارے یہاں گاندھی

ہوئے۔ اس جہاز کا نام حمید یہ تھا۔ طرابلس کی لڑائی میں ترکی کی بحری طاقت بڑی کمزور تھی۔ اور دشمن کی فوجیں خوب مضبوط تھیں اور ان کے پاس پانی کے بہت سے جہاز تھے۔ اس لڑائی میں شرکت کرنا بڑی جان جو کھوں کا کام تھا۔ مگر رُوف بے نہایت بہادری سے اس میں شریک ہوئے۔ اور دشمنوں کی بہتات کے باوجود بڑی ہوشیاری کے ساتھ فوجوں کی مدد کی۔ دشمنوں نے سرحد کے تمام راستے بند کر رکھے تھے۔ لیکن انھوں نے دشمنوں کو خوب دھوکے دیئے اور ان کو نقصان پہنچایا۔

یوں تو ہر لڑائی میں آپ بڑے بڑے کام کرتے تھے۔ لیکن ایک جنگ میں جو سلطہ میں ہوئی تھی، آپ نے ایسی چالاکی اور ہوشیاری کے ساتھ اپنے کو بچایا اور دشمن کو نقصان پہنچایا کہ لوگ انھیں جادوگر سمجھنے لگے۔ کہاں حمید یہ، کہاں یونان کے بڑے بڑے بڑے بے شمار جنگی جہاز۔ مگر اس ایک جہاز نے یونانیوں کا نام میں دم کر دیا تھا۔ حمید یہ نے اس موقع پر سات جنگی جہازوں

چلانا سکھایا جاتا تھا۔ آپ شروع ہی سے بہت ذہین اور ہوشیار ہیں، بہت جلد جہاز رانی میں مشق پیدا کر لی۔ حکومت نے آپ کی پھرتی اور چالاکی دیکھ کر ایمین جانیوالی فوج کا سمندری افسر مقرر کر دیا۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ آپ ایک مدت تک مختلف جہازوں میں فوجی خدمات انجام دیتے رہے۔ لیکن کاموں کو ایسے سلیقہ اور ہوشیاری سے کرتے تھے کہ تھوڑے ہی دنوں میں اپنے ساتھیوں میں سب سے نمبر لے گئے۔

یورپ کے دوسرے ملکوں نے جب ایسی کشتیاں تیار کیں جو سمندر میں پانی کے نیچے نیچے چلتی تھیں، تو ترکی حکومت نے اس سے واقف ہونے کے لئے رُوف بے کو امریکہ بھیجا۔ کہ وہ وہاں جا کر ان کشتیوں کا پورا پورا حال معلوم کریں۔

امریکہ سے واپس آکر آپ کو مختلف جہازوں کی افسری دی گئی۔ آپ نے ہر جہاز میں بہت محنت سے کام کیا۔ اس کے بعد ۱۹۱۲ء میں آپ ایک مشہور جہاز کے کپتان مقرر

صلح کرانے کے لئے روس بھیجا۔ ایک دفعہ کوہ قاف کی ریاستوں سے دوستی کرنے کے لئے بھی ترکی کی طرف سے آپ ہی صلح کانفرنس میں شریک ہوئے۔

ترکی میں جب نئی طرح کی حکومت کی بنیاد پڑی تو انکوہ کی مجلس ملیہ کے صدر ب سے پہلے آپ ہی بنائے گئے اور اس کے بعد آپ کو سب سے بڑے وزیر کی جگہ دی گئی اب موقع آیا تھا کہ یہ اپنی محنتوں اور قربانیوں کا کوئی پھل پاتے۔ مگر چند ہی عرصے بعد کمال پاشا سے ان بن ہو گئی۔ اور آپ ان کا ساتھ نہیں دے سکے۔ اس لئے خود ہی اپنے عہدہ سے علیحدہ ہو گئے۔

ملک میں آپ کا بہت اثر تھا، تمام ملک آپ سے محبت کرتا تھا۔ اس وقت اگر آپ چاہتے تو اپنے ساتھیوں کو لے کر کمال پاشا سے لڑ سکتے تھے۔ اور اس طرح بالکل ممکن تھا کہ آج ترکی کے صدر کمال پاشا کے بجائے رؤف بے ہوتے۔ لیکن آپ نے اس خیال سے کہ ہمارے لڑنے بھڑنے سے ملک والوں پر برا اثر پڑے گا، اور اگر کہیں

کو سمندر میں ڈبو دیا۔ دشمن کے سامان کو بہت سی جگہ آگ لگا دی۔ یونانی کھسیانے ہو ہو کر حمید یہ کا بیچھا کرتے تھے۔ مگر رؤف بے ہر مرتبہ صاف نکل جاتے تھے۔

حمید یہ جہاز کے ان کڑھوں کی تمام دنیا میں ایک دھوم مچ گئی تھی، مگر یورپ ولے کبھی یقین ہی نہیں کرتے تھے کہ اس کا پکستان رؤف بے ہے۔ وہ کہتے تھے، کہ کوئی ترک ایسا چالاک اور ہوشیار پکستان ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ کوئی ہمارا ہی بھائی بندہ ہی لیکن اس واقعہ کا انکار سورج کی روشنی کا انکار تھا۔

جنگ عظیم میں بھی آپ نہایت بخوشی کے ساتھ لڑے اور قوم اور ملک کے فائدہ کی خاطر بار بار اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا۔ اور اپنی جان پر کھیل کر ترکی کی دوستی ہوئی کشتی کو بال بال بچایا۔

رؤف بے صرف ایک لڑاکا، ہی نہیں ہیں، بلکہ امن پسندی اور بیچ بچاؤ کرنے میں بھی آپ ہمیشہ آگے رہے ہیں۔ حکومت ترکی نے ایک دفعہ آپ کو

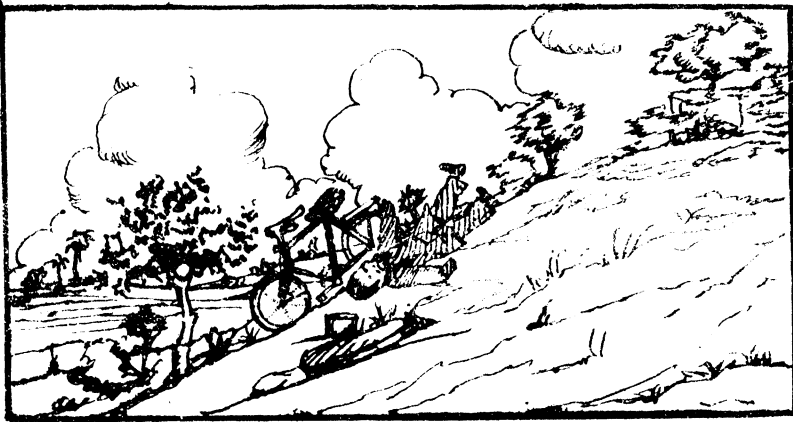
لڑائی ہو گئی تو ملک کی آزادی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ خاموشی اختیار کی اور وطن کو الوداع کہہ کر یورپ چلے آئے۔ اب کوئی چھ سال سو فرانس میں رہتے ہیں۔ جاگیر جائداد تو کچھ ہے نہیں بہت ہی معمولی زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن ہر وقت نہایت خوش اور بشاش رہتے ہیں کبھی پچھلی باتوں کا غم نہیں کرتے۔

آپ سمجھتے ہوں گے کہ روت بے

کمال پاشا سے ناراض ہیں، اس لئے ان کی برائی کرتے ہوں گے، مگر نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ خفگی کے باوجود کبھی بھی کمال پاشا کو برا بھلا نہیں کہتے۔ بلکہ اُلٹی تعریف کرتے ہیں۔ کوئی شخص ان کی باتوں سے پتہ نہیں چلا سکتا کہ کمال پاشا کی بعض باتوں کے وہ سخت مخالف ہیں *

عبدالملک - شعلہ جامعہ - دہلی

سائیکل کا پنچر
(مضمون اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)





(سید ابوالہر دآؤد۔ جی۔ ایس سی)

سائیکل کا شوق تھا کہ خدا کی پناہ۔ کوئی مجھ کو کھانا نہ دیتا پانی نہ پلاتا، مگر دن بھر سائیکل پر گھماؤں پھرتا تو میرا جی خوش ہوتا۔ اپریل کی دھوپ، مئی جون کی لو، برسات کا موسلا دھار مینہ اور دسمبر کی کرکڑائی ہوئی سردی سیر لئے کوئی چیز ہی نہیں، سائیکل جی اور میں تھا۔ آہ، چیلین اور کوئے کتنی آزادی سے ہو ایں تیرتے رہتے ہیں، انگریز کیسی بہادری سے ہوائی جہاز میں اڑتے رہتے ہیں، چچا جان موٹر کے لچکدار پہیوں پر کھومتے پھرتے ہیں، مگر اب جان کو ضد تھی تو میری سائیکل سے۔ جس پر بیٹھ کر میں بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنے آپ کو کبھی تو چیل سمجھ لیتا تھا، کبھی ہوائی جہاز کا انجنیئر کہہ لیتا تھا اور کبھی روس رائیس کا ڈرائیور۔

سائیکل چلانے کا لطف مجھے ہموار سڑکوں پر نہیں آتا تھا۔ جب کبھی موقع

مل جاتا تھا تو میں کٹھ پلے پر چلا جاتا تھا۔ وہ ٹہر کا سب سے اونچا مقام تھا اور وہاں آمدورفت بہت ہی کم رہتی تھی۔ وہاں سے ایک اتارا جو شروع ہوتا تھا تو تقریباً آدھے میل پر جا کر ختم ہوتا تھا۔ ایسا ہموار اور سیدھا اتار تھا کہ اگر اس کے شروع ہونے کے مقام سے ایک پیسہ لڑھکایا جاتا تو وہ اخیر تک یوں ہی لڑھکتا ہوا چلا جاتا۔ جس وقت میں اس مقام پر پہنچتا تو اپنے سینے پر اپنے دونوں ہاتھوں کی پینچی بنا لیتا۔ اور اپنے دونوں سر پر کو پٹیل پر سے ہٹا کر اس طرح پھیلا لیتا تھا جس طرح کسی اڑتی ہوئی جیل کے پر پھیلے ہوئے ہوں۔ میری سائیکل کے پہنے کو تار کے اتار سے اس تیزی سے پھسلتے ہوئے چلتے تھے، جس طرح پونا کی دکن کوئین گاڑی۔ یا بحر ہند میں تیرتا ہوا ایمپٹر، یا کرچی سے ڈاک لیجائیو والا ہوائی جہاز۔ یا سوئیٹز لینڈ کی پھسلواں اور چکنی برف پر اسکیٹنگ کرنے والے آدمی۔ یا ہوا کے سمندر میں اڑتے ہوئے آزاد پرند۔ میرے چہرے پر ہوا کے جھونکوں کے تھپڑ لگتے تھے۔ میرے کانوں میں زلزلہ کی

اور میں ایک ایسے مرغاب کی طرح جسکو اڑنے میں بندوبست کی گولی ماری گئی ہو ابھڑ پھڑاتا ہوا پیچھے گر گیا۔

(۲)

سیرا ہوائی جہاز ٹوٹ گیا تھا میرے کپڑے پھٹ گئے تھے، میرے ہاتھ پیر لہو لہان ہو گئے تھے اور میں کچھ دیر کے لئے سب سے بے ہوش ہو گیا تھا۔ قریب کے جنگل کی ایک بھر دیکھ صاحب مجھ کو اٹھوا کر لائیں۔ اور سیری مرتھ پٹی کی۔ اس کے بعد میں گھر پر پہنچا دیا گیا۔ دس پندرہ روز کے لئے پانک ہی پر پڑا رہا۔ اس کے بعد مجھ کو صحت ہوئی سائیکل پر چڑھنے کی ممانعت کر دی گئی اور میرا گھر سے نکلنا باطل بند کر دیا گیا۔

ایک روز میں نے اپنی اس ٹوٹی ہوئی سائیکل کو جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ میری سائیکل کے ٹیوب میں ایک بہت بڑا پنکھر ہو گیا تھا جسے انگریزی میں *stroke* برسٹ کہتے ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ مجھے ایک دن اٹنے کی آواز آتی تھی۔ اب مجھ کو اس پنکھر کی وجہ دریافت کرنے کا خیال ہوا۔ آخر

آواز آتی تھی اور میرے بڑے بڑے انگیزی ہال ہوا میں بھرتے تھے۔ جن کی حرکت کو دیکھ کر ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ کھٹ کھٹ بڑھتی کی چوٹی ہل رہی ہے یا سمندر کے جہازوں کے باوبان اڑ رہے ہیں۔ سر سر سر۔ زن زن زن زن۔ شن۔ شن۔ شن۔ پیسپرڈوں میں ہوا بھڑکی ہے۔ سانس روک لی ہے۔ چہرہ سرخ ہو گیا ہے۔ دل زور زور سے دھڑک رہا ہے۔ سارا بدن سائیکل کی گدھی پر تڑا ہوا ہے، ہاتھ سینے پر چپکے ہوئے ہیں۔ پیر پروں کی طرح سے حرکت کر رہے ہیں۔ اور میں اڑتا ہوا جا رہا ہوں۔ سچ ماننا۔ ہوائیں باطل چیل کی طرح آزاد اور خوش۔ اماں کی پیچ پیچار، ابا کی ڈانٹ ڈپٹ، استاد کی مار دھار۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی جبین چالیں۔ اور بچوں کی غول غاں سے دماغ باطل خالی۔ ہے۔ اے اللہ یہ اتار کسی طرح نہ ختم ہو۔ میں اسی طرح اڑتا رہوں، پھلتا رہوں، زن زناتا رہوں۔ تیرتا رہوں چلتا رہوں اور حرکت کرتا رہوں۔ ارے میرے اللہ، بچانا۔ ایک دن اٹا ہوا۔ سائیکل اُچھلی۔

جب پانی زیادہ کھوٹا ہے تو ابلنے لگتا ہے اسی طرح جب ٹیوب زیادہ گرم ہوا اور ہوا زیادہ جوش میں آئی تو اس نے پھیلنا چاہا گویا ہوا ایک ایسی قیدی تھی جو اپنے قید خانہ میں رہنا پسند نہیں کرتی تھی۔ اس نے غصہ میں آکر زور کیا اور ٹیوب کی دیواروں پر اسی طرح دھکم مارا جس طرح تم بند دروازوں پر زور لگاتے ہو۔ ہوا کا زور اتنا تھا کہ ٹیوب اس کو نہ روک سکا۔ اسکی دیوار دٹاٹے کے ساتھ پھٹی اور ہوا منہستی ہوئی نکل گئی۔ ٹیوب پچک گیا، پھیپہ فوراً رک گیا اور میں سیٹ (گدی) کے اوپر سے اچھل کر نیچے گر گیا۔

میرے اس سٹے ٹیوب میں پنچر ہونے کی کیا وجہ تھی اور اس میں سے پٹائے کی سی آواز کے پیدا ہونے کا کیا سبب تھا۔ کیا تم بتا سکتے ہو؟

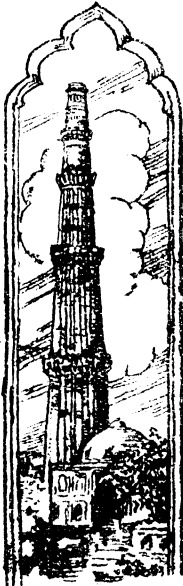
میری سائیکل کے ٹیوب میں ہوا بھری ہوئی تھی۔ بھری ہوئی اس طرح تھی کہ اس کو پمپ کے ذریعہ سے اندر ٹھونسنایا گیا تھا۔ اسی طرح جس طرح کسی ٹنگی میں زور دے دے کر آٹا بھرا جائے۔ جب میری سائیکل کے پیٹے جلدی جلدی حرکت کر رہے تھے تو کو تار کی گرم سڑک کی وجہ سے میری ربڑ کے ٹائر اور ٹیوب گرم ہو گئے تھے۔ تم جانتے ہو کہ ربڑ کھانے سے اور جلد جلد حرکت کرنے سے ہر چیز گرم ہو جاتی ہے۔ گھوڑوں کے لوہے کے نعل بعض اوقات اتنے گرم ہو جاتے ہیں کہ ان سے چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں جن کو تم نے اکثر دیکھا ہو گا۔ جب ربڑ کے ٹائر گرم ہوئے تو انھوں نے اپنے اندر بھری ہوئی ہوا کو بھی گرم کر دیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح گرم پتیلی اپنے اندر بھرے ہوئے پانی کو کھولادیتی ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے

اس سفتہ جامعہ میں بہت سی افسانہ نگار قلم پیش آیا۔ یعنی جناب سید نذیر نیازی صاحب کے والد نے یکایک دل کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے چاند رات کو انتقال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون ہمیں جناب نیازی صاحب جناب نصیر صاحب اور دوسرے عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے خدا مرنے والے (مرحوم) کو جنت میں جگہ دے اور ان کے عزیزوں کو صبر عطا فرمائے۔

میں کیا کروں گا

(سید نصیر احمد صاحب بی آبی)

راہ جو سیدھی ملے اس پر چلوں گے خطر
تو کم کی اور ملک کی خدمت کروں گا شوق و
ایسی صحبت میں رہوں گا تاکہ حاصل ہو کمال
دوسروں کے آسے پر رہوں گا نہ یہ
میرے مال اور باپ کے پالا نجات سو مجھے
جغلی اور نصیت سو میں کرتا رہوں گا اہتساب
راستے جتنے بے ہیں ان میں کتراؤں گا
شکلیں جتنی پڑیں ہرگز نہ میں گھبراؤں گا
جوئے ہیں ان کی صحبت میں نہ ہرگز جاؤں گا
زور بازو سے ٹکا کر جوئے گا کھاؤں گا
ان کی خدمت میں کروں گا جب بڑا ہو جاؤں گا
بات ہوگی مگر کوئی تو بر ملا کہہ جاؤں گا
کھیل میں مجھ کو ہزیمت ہو اگر چہ بار بار
پست ہستیں نہ ہوں گا اور میں شرماؤں گا



دلوں کی سیر کے
نام سے قطب صاحب
میں بہت شان و
شوکت سے ہوتا ہوں
یہ سغل بادشاہ حضرت
شاہ عالم کے زمانہ ہی
اب تک جاری ہے
مجھے بھی اس سال
اس میں جائے گا

پھول و دلوں کی سیل

(بشیر علی - ایچکلو عربک ہائی اسکول دہلی)

جولائی اور اگست کے زمانہ میں برسات کا
موسم بہار پر ہوتا ہے۔ بادل ہر وقت آسمان
پر چھپکے رہتے ہیں۔ دلی کے سیلابی اور
شوقین لوگ اس زمانہ میں قطب صاحب
(مہرولی) میں جا کر رہتے اور زندگی کا لطف
اٹھاتے ہیں۔ اسی موسم میں ایک سیل پھول

اتفاق ہوا۔

غوطہ لگا کر اپنے فن کا کمال دکھا رہے تھے۔

بھرنے پر کچھ عجیب ہی لطف تھا۔

کوئی ساڑھے چار بجے پنکھے کا جلوس

شاہی جھرنے سے شروع ہوا۔ اور مینا بازا

(جہاں بادشاہی زمینے میں جو اہرات فروخت

ہوتے تھے) ہوتا ہوا درگاہ حضرت خواجہ

قطب الدین بخیار کا کی رحمتہ اللہ علیہ کے

مزار پر رات کے دو بجے پہنچا۔ بھیڑ کا یہ

حال تھا کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔

میں نے ایک بڑے میاں سے اس

میلہ کی تاریخ پوچھی۔ ایک ٹھنڈا سانس بھر کر

فرمایا: میاں صاحبزادے! اس کا قصہ یہ

ہے کہ ایک دن شاہ عالم (مثل بادشاہ)

برسات کے موسم میں اپنے اصحابوں کیساتھ

سیر کو نکلے۔ قلعہ معلی (دہلی کا لال قلعہ) پر گھٹا

چھائی ہوئی تھی اور ملکی ملکی پھوار پڑ رہی تھی

بادشاہ سلامت نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا

کہ برسات کا لطف قطب صاحب چل کر اٹھانا

چاہئے۔

اعلیٰ حضرت کا یہ فرمانا تھا کہ تیاریاں ہو

لگیں اور حضور اپنے ذریعوں اور پیروں کیست

ہر سال جمعرات کے روز یہ میلہ ہوتا ہے

اور جب اس کی تاریخ مقرر ہو جاتی ہے تو دہلی

شہر میں عام اطلاع کرا دی جاتی ہے۔ تاکہ ہر

شخص اس میں شریک ہو سکے۔ قطب صاحب

دلی سے کوئی پچاس میل دور ہو گا۔ میلہ کے

دن اتنی لمبی سڑک پر لوگوں کا جوم رہتا ہے۔

یکوں۔ تانگوں۔ موٹر وول اور موٹر لاریوں

کا تاننا بندہ جاتا ہے۔ غریب جنہیں یکہ۔ تاکہ

کا کرایہ تک میسر نہیں، شوق میں پھل ہی

پھل کھڑے ہوتے ہیں۔ غرض دوسرے

سیلانیوں کی طرح ہم بھی قطب صاحب

پہنچے۔ اس روز وہاں عجیب سماں تھا کہیں

آسمان کے درختوں کے جھنڈ تھے۔ کہیں جاسنوں

کے چمے ہوئے جھول رہے تھے۔ کہیں گل

کو کو کر رہی تھی اور پھیا اپ رہا تھا۔ کہیں

جھولے والے جھول رہے تھے۔ اور پٹنگیں

بڑھا رہے تھے۔ کہیں کچھ زندہ دل آدمی

میٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ کہیں سے

سریلے گاؤں کی آوازیں آرہی تھیں کہیں

باجونج رہا تھا۔ کچھ تیراک سسی تالاب میں

پر ایک لاکھ روپیہ تقسیم کر دیا گیا۔ اس وقت سے یہ میلہ بے تک جاری ہے۔ اب گورنمنٹ بھی اس میلہ کے سلسلہ میں سالانہ کچھ دیتی ہے *

قطب صاحب پہنچے۔ برسات کی بہار دیکھ کر طبیعت میں امنگ پیدا ہوئی اور فرمایا کہ عیا بھی اس کا لطف اٹھائے۔ حکم ہوتے ہی رعایا



لال خاں جیسے ہی مکان میں داخل ہوئے بیوی نے کہا: "آج تو میرا جی گوبھی کھانے کو ہو رہا ہے۔" لال خاں نے جواب دیا: "گلابو کی اماں! یہ کون سی بڑی بات ہے؟" ابھی لال گوبھی لائے بیٹے ہیں۔ لاؤ تو ہماری لال گوبھی اور ہاں ذرا ہمارا لال ڈنڈا بھی لیتی آنا۔ ارے تو بہ! سنستی جاؤ! کھونٹی پر لال اچکن ٹنگی ہو، ہاں ہاں جاؤ۔ ارے ذرا ٹھہرو! گلابو کی اماں! اچھا جاؤ۔ کوئی بات نہیں۔ ابے نظامی! سننا نہیں! جاگر ہماری لال واسکٹ لا، وہی لال پتھلے کی جو کل سہم نے کلن درزی سے سلوائی ہو ارے۔ سن! اچھا کرجا۔ ہاں ایک بات اور سن۔ ہماری گھڑی بھی لیتا آ۔ جو ہم نے پرسوں گنگولی بابو کی دوکان سے خریدی تھی۔ ابے

کھڑا کیا سنہ تاکہ رہا ہے! بھاگ کر جا۔ کوئی کمبخت بلدی کام نہیں کریں گے۔ بیٹے جو! تو تو ذرا جا۔ ہماری لال پنجابی جوتی اٹھالا جو ہم نے پرسوں رمضان کی عید پر خریدی تھی۔ اور ہاں جاپان کی بنی ہوئی لال جڑا میں بھی۔ اسے ہاں جو! اچھا جا! ارے! بوڈے منیرا! تو کیا سنہ تک رہا ہے! کمبخت بلدی! اٹھ۔ جاگر ہمارا لال اٹھس کا بیٹو لیکر بلدی آ۔ وہی جسے گلابو کی اماں نے اپنی آنکھوں پر چشمہ لگا کر سیا تھا بن ذرا سمجھال کر لائیو! اس میں کچھ کم دو آنے پیسے ہیں لتنے میں گلابو کی اماں بڑ بڑاتی ہوئی آئیں "بازار کیا جا رہے ہیں گویا لندن (لندن) خرید لائیں گے۔ تم سنے بھی دو!"

لال خاں! (اچکن پہنتے ہوئے) کیوں بڑ بڑا رہی ہو، تمہیں خبر نہیں ہم بازار جا رہے ہیں سب نالائق ہیں کوئی ہماری چیزیں ٹھیک سے لا کر نہیں دیتا۔ اتنی دیر سے ہم چیخ رہے ہیں۔

لال خاں - (لال پیلے ہو کر) بے وقوف
نالائق تجھے شرم نہیں آتی۔ تیری دوکان
پر ہم گو بھی خریدنے آئے اور تو ہماری بے
عزتی کرتا ہے۔ ہم صرف گلابو کی اماں کی
خاطر گو بھی خریدنے آئے ورنہ تیری دوکان
پر آنے کی ہمیں کیا غرض پڑی تھی۔

گو بھی والا (غصہ میں کھڑا ہو کر) بڑھے
تجھے شرم نہیں آتی۔ تو نے اپنے پڑدادا کے
زمانے میں بھی لال گو بھی دیکھی تھی؟

لال خاں (اپنا ڈنڈا سنبھال کر) میں اپنڈ
اسی لال ڈنڈے سے تیرا سر توڑ دوں گا۔
گدھے تیری اتنی بہت ہوئی کہ میرے دادا
کا نام لیتا ہے۔ یہ کہہ کر ایک ڈنڈا گو بھی
دلے کے سر پر مارا۔ بے چارہ گو بھی والا خون
میں شرابور ہو گیا۔ لیکن اس نے بھی ایک اینٹ
اٹھا کر لال خاں کے سر پر ماری۔ لال خاں بھی
خون میں نہا گئے۔ لوگوں نے دونوں کو علیحدہ
کیا۔ لال خاں بڑبڑاتے ہوئے گھر پہنچے۔ اور
دروازے سے ہی چیخ مکر کہنے لگے۔ "او گلابو
کی اماں! کہاں مر گئیں، ہم تو خون میں نہا کر
آئے ہیں" یہ کہہ کر دروازے پر دھڑ سے گرے +

گلابو کی اماں - تم ہی کیوں نہیں لے
آتے۔ ہم سے تو جلدی کام نہیں ہو سکتا ایک
طوفان برپا کر رکھا ہے۔ میں ایسی گو بھی کھانے
سے باز آئی۔ پتہ نہیں بازارا جو کیا غضب کرینگے
لال خاں - میں ہیں، کیوں خفا ہوئی جا
رہی ہو کہیں ملی تو نہیں چھینک گئی۔ تم کو خبر
نہیں، ہم گو بھی خریدنے جا رہے ہیں۔

بڑے میاں گورے چٹے لال لال تھو
اور دوسرے انھیں لال کپڑوں سے بھی بہت
ہی رغبت تھی۔ اسی واسطے لوگ انھیں لال
خاں کہتے تھے۔ اب لال خاں لال کپڑے اور
لال جوتے پہنے ہوئے بازار پہنچے۔ ایک گو بھی
دلے کے پاس جا کر کہنے لگے +

لال خاں - بھئی گو بھی والے مجھے ایک
اچھی سی۔ مگر تازی ہو! لال گو بھی دیدے بھلا
کی اماں کا جی چاہا ہے۔ ارے میاں جلدی
سر شام ہو رہی ہے گلابو کی اماں سخت انتظار
کر رہی ہوں گی۔

گو بھی والا - تنہس کر! لال خاں! متھارا
دماغ بھی ٹھیک ہو یا نہیں؟ پہلے اپنے دماغ
کا علاج کرا کیجئے +



۲۱ اپریل سنہ ۱۳۴۳

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ہندو روئے تعلیمی رسالہ

جلد ۱۴ نمبر ۸

فہرست مضامین

۱ گھر کی چیزیں	محمد حسین مجوی ۱۲۱
۲ عجائب خانہ سمندر	سید محمد عسکری ۱۲۳
۳ یہ میری بولی ہے	ابو طاہر ۱۲۵
۴ ملایا کے آباد کار	عابد مسیح ۱۲۸
۵ تسکین	سید نصیر جامعہ ۱۳۰
۶ مزے مزے کی باتیں	رئیس احمد ۱۳۲
۷ ایمان داری	احمد طارق عمر ۱۳۴
۸ مہمان نوازی	جبواد ۱۳۵
۹ دو بیوقوف جولاہے	محمد عظیم ۱۳۶

Jamia Press

ایڈیٹر: سعید انصاری

بچوں کا قاعدہ

بچوں کو اردو کا قاعدہ پڑھانے وقت مندرجہ ذیل دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱۔ کام کس طرح شروع کریں کہ بچہ ابتدائی کام کو ماحول سے مطابق دیکھے۔

۲۔ حروف علت کا استعمال۔

۳۔ ہم آواز حروف کی مشکلات۔

۴۔ کام کو آخر تک دلچسپ رکھنا۔

جناب مولوی عبدالغفار صاحب نگران تعلیمی مرکز منیر۔ آج چھ سال سے صرف اول جماعت کے بچوں کو اردو

پڑھائے ہیں۔ ان بچوں کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ موصوف نے مندرجہ بالا دشواریوں کو سامنے رکھتے ہوئے

بچوں کا قاعدہ لکھا ہے۔ یہ قاعدہ جامعہ ملیہ میں دو سال کے تجربے کے بعد اب شائع ہوا ہے قیمت ۴/

پہلے قاعدہ

بچوں کا قاعدہ پڑھانے میں جس ترتیب کام لیا گیا ہے۔ وہ سب اس میں درج ہے۔ ایک معلم جسے بچوں کی تعلیم

دلچسپی ہو۔ رہنمائے قاعدہ کا مطالعہ اسے بہت مفید ثابت ہوگا۔ قیمت ۴/

مکتبہ جامعہ قزوین دہلی



ننھی چڑیاں جو گھر میں آتی ہیں
 ہے پھد کنا کہ ناچنا ان کا
 لڑتی ہیں جب یہ مل کے آپس میں
 کیا پیار سماں وہ ہوتا ہے
 پھول کر گیند سی ہیں بن جاتی
 بیٹھ کر کھو بیٹوں پہ چھینکوں پر
 ان سے اپنے گھروں کی رونق ہو
 یونہی ہر وقت خوش رہیں ہم بھی
 اپنی پیاری پھد کے چوں چوں
 رہتی ہو کیا چہل پہل ان سے
 ہو کے خوش انگنی پڑھنے کے کیا
 کوئی ان کو پکڑ نہیں سکتا
 کیسا سنا گھر پہ چھاتا ہے
 جب بسیرے کا وقت ہوتا ہو

کس منے سے یہ چھپاتی ہیں
 چھپاتی ہیں، یا یہ گاتی ہیں
 سر پہ گھر بھر کو بس اٹھاتی ہیں
 پر پھلا کر یہ جب نہاتی ہیں
 جب ہنا کر یہ پر پھلاتی ہیں
 اپنی چوں چوں ہیں سناتی ہیں
 کیا خوشی کے یہ گیت گاتی ہیں
 رہ کے خوش یہ ہیں بتاتی ہیں
 روتے انسان کو ہنساتی ہیں
 کیا پھد کتی ہیں غل مچاتی ہیں
 پر کھجانی ہیں، دُم ہلاتی ہیں
 اڑ کے یہ دور بھاگ جاتی ہیں
 کہیں اڑ کر علی جو جاتی ہیں
 ایک طوفان سا اٹھاتی ہیں

شام کو جمع ہو کے پیرٹوں پر
رات اور نیند آتی ہے جسم
پھر ہر دل میں چھپا کے چوٹوں کو
اٹھ کے پھر صبح کو سویرے سے
گھونٹا ان کا گھر ہے چھوٹا سا
انڈے دینے پہ جب یہ آتی ہیں
چھت میں، دیوار اور کانس میں
صحن، دالان، کوٹھری، کمرہ،
اڑی جاتی ہیں چوٹوں میں لیسکر
لاکے پھر اپنے ننھے بچوں کو۔
کر کے چوں چوں لپکتے ہیں بچے
دیکھے ان کی خوشی کوئی اس وقت
اپنی ایک ایک اداسی، حرکت ہی
ان کا بچہ کوئی پکڑ لے، تو ہاں
ہو کے بے چین اور خفا پہروں
ان کا بچہ نہ چھوڑیے جب تک
چھوڑ دو، چھوڑ دو، خدا کے لئے
نہ سناؤ تم ان کے بچوں کو،
نہ دکھاؤ دل ان کا ننھا سا

کس قدر شور و غل مچاتی ہیں
چکی پیرٹوں پہ بیٹھ جاتی ہیں
خواب راحت کے لطف اٹھاتی ہیں
شکرِ خالق کے گیت گاتی ہیں
اس میں سکھ اور چین پاتی ہیں
تینکے چن چن کے تب یہ لاتی ہیں
کہیں چھوٹا سا گھر بناتی ہیں
ہو جہاں کچھ پڑا یہ لاتی ہیں
دانہ دُکھا کہیں جو پاتی ہیں
پیار اور چاؤ سے کھلاتی ہیں
دانے کے بے جب یہ آتی ہیں
دانہ بچوں کو جب بھراتی ہیں
ہم کو کوشش کے گر سکھاتی ہیں
بلبلائی ہیں، تلبلائی ہیں
اپنا غصہ ہمیں دکھاتی ہیں
چین دم بھر نہیں یہ پاتی ہیں
یہی چلاتی، گرگڑاتی ہیں
تم کو بچو! یہ کب سناتی ہیں
کب تمہارا یہ دل دکھاتی ہیں

جیسے ہم تم ہیں، یہ بھی پیارے ہیں
اپنے ماں باپ کے دُلا رے ہیں
(مولوی محمد حسین صاحب نحوی)

پانی اتنی زیادتی اور آسانی کے ساتھ نہیں
 برکتا۔ جتنی کہ ان کو زندہ رہنے کے لئے
 ضرورت ہے۔ اس حالت میں کھلے مقام
 کی تلاش میں گھونگے ادھر ادھر حرکت
 کرنا شروع کرتے ہیں۔ اور ریتی پر ان کے
 جسموں کے رگڑے جانے سے باریک
 باریک ریت کے ذرے سیپوں میں داخل
 ہو کر ان کے جسموں کو تکلیف پہنچانے لگتے
 ہیں۔ گھونگا ان کنکروں کے چاروں طرف
 ایک لعاب دار چیز لپیٹ دیتا ہے، جو
 آہستہ آہستہ اس کے خول کے مانند سخت
 ہو جاتی ہے، یہی موتی ہے۔

سیپ گھونگے کے علاوہ بعض اور مچھلیاں
 میں بھی پائی جاتی ہے۔ جو سیپ دار مچھلیاں
 کہلاتی ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں گھونگے
 کی بعض قسموں کو مچھلیوں کی طرح پکا کر کھاتے
 ہیں۔ ان میں اور مزلس مچھلی میں جو سیپ
 پائی جاتی ہے وہ بھی گھنڈیاں وغیرہ بنانے
 کے کام آ سکتی ہے۔ گھونگا عموماً گرم ملکوں
 کے سمندروں میں ہوتا ہے، مثلاً آسٹریلیا
 کے شمالی اور شمال مشرقی علاقے، خلیج فارس

عجائب خانہ سمندر



موتی کیسے بنتا ہے۔ گھونگے میں
 سیپ کے علاوہ موتی بھی پائے جاتے ہیں
 اور تعجب کی بات یہ ہے کہ موتی انھیں مٹھاتے
 کے گھونگوں میں زیادہ ہوتے ہیں جہاں ان
 کی اتنی کثرت ہو کہ سمندر کی تہیں ان کے تہو
 کے لئے کافی جگہ نہ رہے۔ اکثر ان کی اس
 بہتات کے سبب سے ان کے ارد گرد

جزیرہ سیدون اور جزائر سوئٹھ سی۔ پہلے پہل انسان گھونگے کی تلاش موتیوں کے لئے کیا کرتا تھا اور ہزاروں سیپوں کے ضائع کرنے کے بعد چند موتی ہاتھ آتے تھے۔ آخر موتی والے گھونگے دنیا میں کم ہوتے گئے اور سیپ کا استعمال اور اس کی ضرورتیں بڑھتی گئیں۔ اب آجکل امریکہ، آسٹریلیا، اور جاپان سے جو جہاز گھونگوں کی تلاش میں ہر سال نکلتے ہیں ان کا مقصد سمندر سے موتی مکانا نہیں ہوتا، بلکہ ان کو سیپ کی جستجو ہوتی ہے۔ اور اس جستجو میں تھوڑے بہت موتی بھی ان کے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔

غوطہ زن :- سمندر سے اسپنج اور گھونگوں نکال لانا ایک فن ہے۔ اور جو لوگ اس پیشہ کو انجام دیتے ہیں، وہ غوطہ زن کہلاتے ہیں۔ اگلے زمانے میں ان غوطہ زنیوں کے کام کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ پاؤں میں ایک بڑا پتھر باندھ چھری ہاتھ میں لے کر ایک بڑی رسی کا سہرا کمر میں کس کر، ننگے دھڑنگے پانی میں کود پڑے، سمندر کی تہ میں پہنچے، اور جلد جلد گھونگے، یا اسپنج کا ٹنا شروع کر دیا۔ ایک دو منٹ

میں جو کچھ ہاتھ لگا لے کر اور پاؤں سے بندھا ہوا پتھر علیحدہ کر کے کمر کی رسی کو حرکت دی، اوپر جو شخص رسی تھامے کھڑا ہوتا تھا وہ اس حرکت سے سمجھ جاتا کہ غوطہ زن باہر آنا چاہتا ہے۔ اور اشارہ پاتے ہی وہ اسے اوپر کھینچ لیتا۔ ان غوطہ زنیوں کو ہر غوطے میں موت کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا، دریائی جانوروں کا الگ درجہ رسی کے لوٹ جانے کا جدا خوف، اور اوپر سے رسی کھینچنے والے کی غفلت یا بے پروائی کا اندیشہ تو ان سب علاوہ تھا، مگر آجکل غوطہ زنی اس طریقہ پر نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ اس کے لئے خاص لباس بنائے گئے ہیں۔ یہ لباس ربڑ، ریشم اور اون ملا کر بنائے جاتے ہیں۔ اور ایسے مضبوط ہوتے ہیں کہ درندہ جانوروں کے دانت اس میں آسانی سے کام نہیں کر سکتے۔ غوطہ زن کی کمر میں ایک رسی بندھی رہتی ہے، اس کا دوسرا سرا جہاز پر ایک چرخ میں لپیٹا رہتا ہے۔ عموماً یہ چرخ بجلی کی قوت سے حرکت کرتا رہتا ہے اور اس تیزی سے کہ غوطہ زن سمندر کی تہ سے سطح تک چند ہی سکند میں کھینچ لیا جاسکتا ہے

بہ تو میری بونی ہے

محمودہ، میں، ناصری اور ہایوں فرحت پر ہاتھ دھو کر بیٹھے۔ گلچمن نے دست خوان بچھا۔ ہر ایک کے سامنے ایک ایک خالی پلیٹ رکھی اور بیچ میں ایک بڑی قاب رکھ دی جس میں بھسکتا ہوا گرم مرغ پلاؤ، چوٹی تک بھرا ہوا تھا۔ ہمارے سامنے دو پیالوں میں بورانی بھی رکھی ہوئی تھی۔ چچے ہر ایک کے پاس تھے۔ — مرغ پلاؤ کی گرم گرم بھاپ ہمارے نچھنوں میں سے جا کر دل کو بے تاب کئے دیتی تھی۔ اور منہ سے پانی کی کلیاں چھوٹ رہی تھیں۔ مگر گلچمن کا حکم نہ تھا کہ ہم کھانا شروع کریں۔ بڑی آپ کا انتظار تھا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائیں۔ محمودہ خاموش بیٹھی تھی مگر ناصری اور ہایوں فرح کے دموں پر سنی ہوئی تھی۔ رہ رہ کر چلا ہے تھے، بسور رہے تھے زانو بدل رہے تھے۔ آخر بڑی آپ نے مجبور ہو کر اپنے وظیفہ پڑھنے کے تحت ہی پر سے

یہ رسی کسی معمولی سن یا سوت کی بٹی ہوئی نہیں ہوتی بلکہ اون، ربر، اور ریشم سے تیار کی جاتی ہے۔ اور اس کی بناوٹ میں ایسومیم کے باریک تار پیئے جاتے ہیں غوطہ زن کے لباس پر پٹھہ اور سینہ کی طرف دو بڑی بڑی جیب کی تختیاں لگا دی جاتی ہیں ان سے دو فائدے ہیں، اول تو ان کے وزنی ہونے کی وجہ سے غوطہ زن پانی کی ابھارنے والی قوت کے باوجود جتنی دیر چاہو پانی میں رہ سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ درندہ جانوروں کے حملہ سے بچانے میں یہ زرہ کامیاب دیتی ہیں اور اسی غرض سے غوطہ زن کی جوتیوں پر بھی جیب منڈھا جاتا ہے۔ سر پر جو خود ہوتا ہے اس میں ایک لمبی سی ٹلی لگی رہتی ہے جس کے ذریعے سے اوپر کی تازہ ہوا ہر لمحہ منہ تک پہنچائی جاتی ہے۔ کہ وہ جتنی دیر پانی میں ہے سانس لیتا ہے۔ خودیں آنکھوں کے مقام پر ایک لوہے کے جال سے محفوظ کئے ہوئے شیشے کے گہرے ہیں تاکہ باہر کی چیز آسانی سے دکھی جاسکے +
(سید محمد عسکری صاحب)

چاول چاروں طرف چھٹک گئے تھے۔ اور وہ ٹانگ لڑھک کر محمودہ کی پلیٹ کی طرف گر گئی تھی۔ میں نے چیخ سے اٹھا کر اسی کی پلیٹ میں ڈال دی۔ کیونکہ میں خصوصیت سے لڑکیوں کا بہت خیال رکھا کرتا تھا۔ ہالیوں صاحب کو لگا ناگوار۔

”یہ ٹانگ میرے پیچھے سے گری ہے“
انہوں نے نتھنے پھلا کر کہا۔

”اس پر پہلی نظر تو میری پڑی تھی۔“

ناصری صاحب نے بونی پوچھوڑتے ہوئے فرمایا۔

”بھئی لے لو جس کا جی چاہے“ محمودہ نے جھنجھلا کر کہا۔ ”مجھے ہڈی بونی کا جھکڑا اچھا نہیں لگتا۔“

”اچھا تم ہی کھاؤ۔“ دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

لیکن تھوڑی ہی دیر میں ناصری صاحب کی نیت پھر پٹی اور انہوں نے ”محمودہ کھٹل!“ چلا کر اس طرح کہا کہ ہم سب گھبرا کر اس کی طرف جھکے۔ اپ کو بلا موقع اور پوٹی بلی کی طرح آپ نے ہاتھ بڑھا محمودہ کی پلیٹ سے ٹانگ اٹھا ہی تولی۔ مجھ کو آیا غصہ میں نے

چلا کر کبہ یا کہ تم لوگ کھاؤ۔ میں نماز پڑھ کر کھاؤں گی۔ میں نے ابھی چیخ سنبھالا ہی تھا کہ میاں ناصری نے اپنی ٹٹھاتی ہوئی آنکھوں سے پلیٹ کی تہ میں غوطہ مارا۔ اور مرغ کی ایک ٹانگ پر جو چاولوں کے اندر دفن تھی، چیخ ہاتھ سے پھینک کر ایسا جھپٹا مارا جس طرح چیل مرغی کے بچے پر جھپٹتی ہے۔ مگر فوراً ہی حضرت کو معلوم ہو گیا کہ یہ مرغ کی ٹانگ تو بچھو کی طرح ڈانگ مارتی ہے اور چاول سانپ کی طرح کاٹتے ہیں۔ آپ نے گھبرا کر اپنا ہاتھ اس طرح کھینچا گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ دیکھا تو ہاتھ کئی جگہ سے جل گیا تھا۔ ہم لوگوں نے جو مقدمہ لگایا تو آپ بڑے شرمائے۔ مگر تھے چکنا گھڑا۔ کوئی اور ہوتا تو دسترخوان چھوڑ کر چلا جاتا شاید اس مرغی کی ایک ہی ٹانگ تھی جو محمودہ بی کے حصے میں آئی۔ ہالیوں فرنے اپنے پیچھے کو چاولوں میں اس طرح ڈالا تھا۔ جیسے زمین کھودنے والا مزدور اپنا پھاوڑا چکنی مٹی کے ٹیلے پر مارتا ہے جس کی وجہ سے

اسی طرح سارا مرغ بلا چبائے ہوئے اپنی
 توہد میں جھونک گئے۔ اوپر سے پانی کے
 گلاس اس طرح اُنڈیلے جیسے ان کے پیٹ
 میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اور اس کو بجھانے کے
 لئے ایک انجن کی ضرورت تھی۔ اوم کر کے
 انھوں نے لمبی ڈکاری، پیٹ کو گھوڑے
 کی پٹھکی طرح سیلایا۔ اور ایک گھانگس
 مرغی کی طرح ہل ہل کرتے ہوئے دسترخوان پر
 سے اٹھے۔ میرا تو خیال تھا کہ خالی پٹھیں بھی چبا
 جائیں گے۔ مگر احسان کیا۔ پلنگ پر آپ
 اس طرح جا کر لیٹے جیسے کسی نے گاؤں کی رکھ دیا
 تھوڑی ہی دیر میں آپ کا پیٹ نقارہ ہو گیا۔
 اور بھری ہوئی مشک کی طرح پھول گیا۔ وہ
 مرغ جو بلا چبائے ہوئے کھایا تھا، اس نے
 آنتوں میں ٹھونگیں مارنا شروع کیں، چاؤ کو
 نے زور لگنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اٹھا درد،
 اب تو کڑا اٹھا کر پیٹ کو مداری کے طبلے
 کی طرح بجاتے ہیں، ربڑ کی طرح دباتے ہیں
 روٹی کی طرح سلتے ہیں، مگر وہ درد کم نہیں
 ہوتا۔ جناب ان کے پیٹ کے اندر مرغ
 لکڑوں کوں بول رہا تھا *

جھپٹ کر چاہا کہ ان کے ہاتھ سے چھینوں، مگر
 وہ اسے شکاری جانور کی طرح اپنے منہ میں رکھ
 کر لگے دانت مارنے — ٹانگ
 تو پھر ٹانگ ہی تھی۔ اس کے اندر گرم
 بھاپ ابھی تک بھری ہوئی تھی۔ تمام
 کھلے زبان اور تالو میں چھٹکے لگے، اور او، او،
 کر کے آپ نے اس کو اپنی ہی پلیٹ میں
 اگل بھی دیا — اُٹ، پانی۔ پانی کہہ کر آپ
 نے ایک پیالے بیل کی طرح ڈکاری ماری اور
 شرم سے منہ چھپا کر بلا کچھ کھائے ہوئے اپنے
 دونوں ہاتھوں کو مرغی کے پردوں کی طرح
 پھٹ پھٹاتے ہوئے دسترخوان پر سے اٹھ
 کر بھاگے — ہم لوگوں نے خوب خوب
 تالیاں بجائیں۔ محمودہ تو ہستے ہستے
 لوٹ گئی۔

اب سنئے، ہم دونوں اس تماشہ کے
 دیکھنے میں رہے۔ میاں ہمایوں فراسی چالاکی
 کر گئے۔ انھوں نے تمام بھری قاب میں سو
 مرغی کے پنجوں کی طرح کرید کرید کر ایک ایک
 بوٹی نکال کر منہ میں رکھ لی اور جس طرح سارک
 پھیلیاں نکلتا ہے، یا بندر امرود کھاتا ہے!

مختاری خطا نہیں ہے۔ یہ سب کارستانی
اس شریر مرغی کی ہے جس نے پکنے کے بعد
بھی ایسے ایسے تماشے دکھائے +

(سید ابوطاہر داؤد صاحب)

ادھر وہ پڑے تھے اور ادھر ناصری
صاحب منہ کھولے، زبان نکالے سُوسو کر رہے
تھے۔ جلے ہوئے ہاتھ کو بھی پکڑے ہوئے تھے۔
میں نے دونوں سے جا کر کہہ دیا کہ بھئی،

ملایا کے آباد کار

جزیرہ نمائے ملایا کے پرلے سہنے والے
جنگلوں میں رہتے ہیں۔ ان لوگوں کا بیان تم
سن چکے ہو۔ جو لوگ تجارت وغیرہ کے مطلب
سے ملایا میں رہنے سہنے لگے ہیں ان کا حال
بھی ہم تم کو بتا چکے ہیں۔ اب ان لوگوں کا
کچھ حال سنو جو باہر سے آکر ملایا میں رہنے
سہنے لگے ہیں اور وہیں کے باشندے ہو گئے
یہ لوگ آباد کار کہلاتے ہیں۔ اب ملایا ہی ان
آباد کاروں کا وطن ہے۔

آباد کار بہت مدت سے ملایا میں رہتے
سہتے ہیں۔ ان کے دو حصے کئے جاسکتے ہیں
(۱) سیامی جو ملایا کے شمالی حصے میں
رہتے ہیں (۲) ملائی جو ملایا کے جنوبی حصے
میں رہتے ہیں +

جو لوگ ملک سیام سے آکر ملایا میں آباد ہو گئے
ہیں۔ وہ اب تک سیامی کہلاتے ہیں ان
میں کچھ تو وہ لوگ ہیں جو خالص سیامی نسل
کے ہیں۔ کچھ وہ لوگ ہیں جو سیام والوں اور
چین والوں کی ملی جلی نسل ہیں۔ سیامی
زبان میں ان لوگوں کا نام ”لک چین“
ہے۔ سیامی زبان میں بچے کو ”لک“ کہتے
ہیں۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ ”لک چین“
سے چینی بچہ مراد ہے۔ ان لوگوں کا یہ نام
اس وجہ سے پڑا ہے کہ ان کے باپ اکثر
چینی اور مائیں سیامی ہوتی ہیں +

ایک اور ملی جلی نسل کا نام ”سم سم“ ہے
ان لوگوں کے خون میں سیامی اور ملائی
خون کا میل ہے۔ یہ لوگ کیداہ کے علاقے
میں رہتے ہیں۔ کیداہ کا علاقہ ملایا کے شمالی
حصے میں ہے +

چند حروف بدلے ہوئے ہیں۔ لکھاوٹ
ایک سی ہے لیکن لفظ بدلے ہوئے ہیں
جس طرح اردو کل ہندوستان میں بولی
اور سمجھی جاتی ہے اسی طرح ملائی زبان کل
ملایا میں اور آس پاس کے جزیروں میں بھی
پھیلی ہوئی ہے۔

ملائی زبان پہلے لکھی نہیں جاتی تھی۔
کوئی پانسو برس سے ملائی لوگ مسلمان ہیں
جس وقت یہ لوگ مسلمان ہوئے، اس وقت
سے ملائی زبان کا لکھا جانا شروع ہوا جن
حروف میں ہماری اردو اور فارسی اور سندھی
اور ملائی وغیرہ یہ سب زبانیں لکھی جاتی ہیں،
ان حروف کو عربی رسم الخط کہتے ہیں *
(عابد سیح صاحب)

کیا آپ کو اپنا نمبر خریداری یاد

اگر یاد نہ ہو تو ممبر بانی فرما کر پتے کی چٹ پر
ملاحظہ کر لیجئے خط و کتابت میں نمبر کے حوالہ سے
بڑی سہولت ہو جاتی ہے۔ ورنہ بسا اوقات جواب
دینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ براہ کرم اسے نہ بھولنے،
’مہتمم‘

ملائی لوگ جزیرہ ملایا کے جنوبی
حصے میں رہتے ہیں۔ دراصل انھیں کے سبب
سے اس جزیرہ کا نام ملایا ہو گیا ہے۔ ملائی
لوگوں کی صورت منگو لیا کے رہنے والوں کو
ملتی جلتی ہے۔ اس لئے بعض عالموں کا خیال ہے
کہ ملائی دراصل منگو لیا کے رہنے والے ہیں۔
جو جنوب کی طرف چلتے چلتے ملایا میں آکر آباد
ہو گئے ہیں۔ دوسرے عالم یہ کہتے ہیں کہ
ملائی لوگ سمندر کے کنارے کے قریب رہنا
پسند کرتے ہیں اور یہ لوگ جہاز چلانے اور
کشتی کھینے کے کام میں بہت ہوشیار ہوتے
ہیں اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملائی لوگ
دراصل جزیروں کے رہنے والے ہیں۔
ان عالموں کا مطلب یہ ہے کہ ملائی ایشیا
نہیں بلکہ آسٹریلیا کے قریب کے رہنے والے
ہیں *۔

خود ملائی لوگ کہتے ہیں کہ ہم سارا سے
آئے ہیں۔ ملائی لوگوں کی زبان کو بھی ملائی
کہتے ہیں۔ ملائی زبان کے حروف ہماری اردو
کے حروف سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ اکثر حروف
ان دونوں زبانوں میں ایک ہیں۔ صرف

ارد گرد چکر کاٹ رہا تھا۔ ایک کمرہ چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چوکیدار کل عید کے لئے اپنے جوتے صاف کر رہا تھا۔ اس کی آواز یہاں تک پہنچ رہی تھی۔

”میں اس بد سماش کو اور کیا لکھوں“ کلرک نے سراو پر اٹھا کر کہا۔

چھت پر اس نے ایک سیاہ دائرہ دیکھا۔ یہ کسی چیز کا سایہ (مکس) تھا۔ دیواریں جن پر برسیں ہوئی سفیدی کی گئی تھیں، میلی اور گرد سے آئی ہوئی تھیں۔ کمرے میں تنہائی اور اداسی برس رہی تھی۔ یہ منظر بہت ہولناک تھا۔ اس کو بہت رنج ہوا۔ نہ صرف اپنے پر بلکہ اس پتنگے پر بھی۔ وہ اٹھا اور چوکیدار کے کمرہ میں جا پہنچا۔ چوکیدار بوٹ صاف کر چکا تھا اور اس وقت کھڑکی میں کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔

اُدھر دیکھئے لوگ کتنے خوش خوش جا رہے ہیں! چوکیدار نے کلرک سے کہا۔

کلرک نے بغیر کچھ کہے دوسری کھڑکی کھولی۔ تھوڑی دیر تک باہر کی طرف دیکھتا رہا۔ ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہنا شروع کیا



مکرمی و مخترمی جناب
ایک معمولی حیثیت کا کلرک اپنے افسر کو عید کی مبارکباد لکھ رہا تھا۔ ایک حقیر اور غریب آدمی کی طرف سے مبارکباد قبول فرمائے۔ خدا کرے کہ آپ کو ایسی ہزاروں خوششیاں نصیب ہوں اور میں

لیپ میں تیل کم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے روشنی مدھم ہو گئی تھی۔ ایک پتنگا لیپ کے

ایک دن آپ بھی ترقی کرتے کرتے بڑے آدمی ہو جائیں گے۔ پھر موٹر خریدنا کیا مشکل ہے؟

”ناممکن ہے، ناممکن!! میں تو ایک معمولی آدمی ہوں، پڑھا لکھا بھی نہیں، لیکن ہمارا افسر کون سا بڑا تعلیم یافتہ ہے؟“ آجکل تو نوکری سفارش اور روپے سے سہنے، چوکیدار نے کہا۔

کلرک نے کٹھن کی بند کردی اور دوسرے کمرے میں ٹھہنا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے خیالات میں غور ہو۔ چھوڑی دیر میں اس نے اپنے آپ سے کہنا شروع کیا۔

”میں دفتر چھوڑ کر آخر چلا کیوں نہ جاؤں؟“

ہو گا کیا! ... لیکن جاؤں کہاں! میرا

مکان تو دفتر سے بھی خراب ہے اور کہیں

جانہیں سکتا۔ مجھے خوشی بھی تو حاصل نہیں

ہو سکتی۔ میری جیب میں ایک پیسہ نہیں!

وہ کمرے میں ایک دیوار سے لگ کر

کھڑا ہو گیا۔ نئی زندگی کے خیال نے اس کے

دل اور دماغ پر قبضہ کر لیا۔ نئے جوتے، نیا

لباس، نیا مکان اور موٹر کے خیالات اس کے دل

”کتنے لوگ ہیں! سب اپنے اپنے کام پر جا رہے ہیں، کوئی درزی کے پاس، کوئی دھوبی کے یہاں، کوئی کہیں، کوئی کہیں۔ بعض لوگ آپس میں چھیڑ چھاڑ بھی کر رہے ہیں۔ قہقہوں کی آواز دور تک پہنچتی ہے۔ چہروں پر مسرت ہے، خوشی ہے۔ صرف میں ہی بد قسمت اور بے کس انسان ہوں غریبوں کے لئے دنیا تنگ ہو۔ میرے لئے عید کیسی؟“

”لیکن آپ نے اس وقت کا کام اپنے ذمہ کیوں لیا ہے؟“ چوکیدار نے کہا، آپ بھی آج انھیں لوگوں کے ساتھ چل دیجئے لیکن للچ بری بلا ہے۔ چند روپیوں کے لئے آپ نے اپنی خوشی کو قربان کر دیا۔

”کیا کہتے ہو!“ کلرک نے غصہ سے کہا۔

کیا تم سمجھتے ہو یہ للچ ہے؟ للچ نہیں، بلکہ

منفلسی ہے۔ غریبی ہے!! میں اگر اس وقت

یہاں نہ ہوتا جب بھی مجھے کوئی خوشی نہ ہوتی

دیکھنا فلاں آدمی کو موٹر میں کیا ڈٹ کے

بیٹھا ہے؟

لیکن افسوس نہ کیجئے، ہمت کیجئے،

نے زور سے اپنا ہاتھ پٹنگے پر مارا۔ پٹنگا میز پر گر گیا اور ٹرپے لگا۔ اس نے اس کو لیمپ کی چینی میں ڈال دیا۔ جس سے روشنی بھڑک اٹھی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد پھر مدھم پڑ گئی۔

کلرک کو اس سے تسکین ہو گئی اور وہ اطمینان سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا +
نصیر احمد صاحب جاسی بی لے

منے منے کی باتیں

حجاج ایک بڑا ظالم حاکم گزرا ہے جس سے وہ خفا ہو جاتا تھا، بس فوراً اس کی گردن اڑا دیتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ٹہلتا ہوا ایک گاؤں میں پہنچا۔ اتفاق سے وہ اس وقت اکیلا تھا۔ راستے میں اسے ایک گنوار ملا۔ حجاج نے اس سے پوچھا: تمہارے افسر کیسے ہیں؟ ”بڈو گنوار نے جواب دیا۔ ”بڑے خراب!“ پھر اس نے پوچھا، اچھا! حجاج کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ ”بڈھے نے کہا۔ ”اس شیطان کے متعلق کیا پوچھتے ہو وہ تو سب سے زیادہ شریر

میں آئے لگے۔ یہ چیزیں اگر حاصل نہ ہو سکتی تھیں تو وہ بچپن کی زندگی چاہتا تھا۔ ان دنوں کیا آرام تھا، مزے تھے، عیش تھا۔ کسی قسم کی فکر نہ تھی۔

”کیا میں چوری کروں..... لیکن اس کے لئے بھی سہت کی ضرورت ہے،“
بازاروں میں اب شور و غل کم ہو گیا تھا۔ رات زیادہ ہو گئی تھی۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور خیالات میں غرق ہو گیا۔ اس غریب پٹنگے کو ابھی تک آرام کی جگہ نہ ملی تھی اور وہ اسی طرح ادھر ادھر اڑ رہا تھا۔

کلرک اس رحم کے قابل زندگی سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اس خط کو دیکھا جو وہ پہلے لکھ رہا تھا۔ یہ خط ایسے افسر کو لکھا تھا جس سے وہ ڈرتا بھی تھا اور نفرت بھی کرتا تھا۔ جس نے باوجود انتہائی کوشش کے اس کی تحفہ میں پانچ سال سے ایک پیسہ کا بھی اضافہ نہیں کیا تھا۔ وہ غصہ سے دانت پیسنے لگا۔

یہ ایک اس کی نظر پٹنگے پر پڑی۔ اس نے کہا کہاں ادھر سے ادھر اڑ رہے ہو! میں ابھی تمہیں اس کا مزہ چکھاتا ہوں! یہ کہہ کر اس

ہے

حجاج - تم جانتے ہو میں کون ہوں ؟
بڈا - نہیں ۔

حجاج - میں حجاج ہوں ۔
بڈا - تم جانتے ہو میں کون ہوں ۔
حجاج - نہیں ۔

بڈا - میں ایک پاگل آدمی ہوں ۔
جب مجھ پر دورہ پڑتا ہے تو میں ایسی ہی بہکی
بہکی باتیں کرتا ہوں ۔

یہ سن کے حجاج بہت ہنسا ۔ اس نے
بڈے کو انعام دیا اور ہنسی خوشی خست کیا ۔

~~~~~ ۲ ~~~~~

حجاج ہی کا ایک اور واقعہ ہے ، یہ تو  
معلوم ہی ہے کہ وہ زیادہ ظلم کیا کرتا تھا ۔ ایک  
مرتبہ وہ ایک بہت بڑے مجمع میں کھڑا ہوا  
تقریر کر رہا تھا ۔ جب تک حجاج حاکم نہیں ہوا  
تھا ۔ سال میں ایک مرتبہ وہاں طاعون ضرور  
آپا کرتا تھا ۔ لیکن اس سال جب کہ وہ حاکم مقرر  
ہوا ، طاعون نہیں آیا ۔ اس پر حجاج بہت  
خوش ہوا ۔ اور اپنی تقریر میں کہا " اے لوگو !  
تمہیں چاہئے کہ میری پیروی کرو " میرا حکم

مالو ، میرا کہنا سنو ۔ اس لئے کہ میں خدا  
کا پیارا بندہ ہوں ۔ اور اس کا ثبوت یہ ہی  
کہ تمہیں معلوم ہے پہلے یہاں طاعون آیا  
کرتا تھا ۔ لیکن جب سے میں یہاں کا حاکم  
ہو کر آیا ہوں ، طاعون بند ہو گیا ہے ۔ اگر  
خدا مجھے پسند نہ کرتا تو طاعون کیوں نہ آتا ؛  
لوگوں نے چپ چاپ حجاج کی یہ تقریر  
سن لی ۔ لیکن ایک بدو کھڑا ہوا اور اس نے  
کہا " خدا اپنے بندوں پر دوہری مصیبت  
نہیں ڈالتا ۔ تم خود طاعون سے کیا کم ہو ؛  
جب تم نہیں تھے طاعون آتا تھا ۔ اب تم ہو  
اس لئے طاعون کی ضرورت ہی کیلئے ہے ؟  
حجاج چپ ہو گیا ۔ کچھ نہیں بولا ۔ !

~~~~~ ۳ ~~~~~

کہتے ہیں کہ حکیم لقمان ایک آدمی کے غلام
تھے ۔ ایک روز ان کے مالکانے انہیں بلایا
اور کہا " یہ بکری لے جاؤ ، اسے ذبح کرو ، اور
اس میں سب سے زیادہ بری چیز جو ہو اسے
آؤ "۔

حکیم لقمان گئے اور دل اور زبان لے آئے
مالک نے پھر دوسری بکری دی اور کہا

کہ لے ذبح کر دیا اور جو چیز سب سے اچھی ہو وہ لے آؤ۔

اب کی بھی حکیم لقمان دل اور زبان لے آئے۔

مالک نے پوچھا: "اس کا کیا مطلب؟" جب میں نے بری چیز مانگی جب بھی تم دل اور زبان لائے اور جب اچھی چیز مانگی جب بھی تم دل اور زبان لائے،

لقمان نے جواب دیا یہ دونوں چیزیں سب سے زیادہ بری اور سب سے زیادہ اچھی ہیں۔ اگر آدمی ان پر قبضہ کر لے تو سب سے اچھا وہی ہے۔ اور اگر یہ چیزیں آدمی پر قابو پالیں تو اس سے برا کوئی نہیں۔ *

رئیس احمد رضا جعفری

ایمان داری

سچائی اور نیکی سے زندگی بسر کرنا ایمان داری ہے۔ ایماندار لوگوں کے نام ہمیشہ مشہور رہتے ہیں۔ اور ان کی مثال اکثر موقعوں پر پیش کی جاتی ہے۔

ایمان داری سے لوگ نیچے رتبے سے اونچے رتبہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ ایمان دار کو اگر کسی وقت تکلیف بھی اٹھانی پڑے اور وہ پریشان ہو جائے تو بھی کسی نہ کسی دن اس کی تعریف ہوتی ہے اور اس کا رتبہ بلند ہو جاتا ہے۔ ایمان دار آدمی نیک، رحمدل، اور با اخلاق ہوتا ہے اور اس کی سب تعریف کرتے ہیں۔ ایمان داری ایک ایسی قیمتی چیز ہے کہ اس سے دین اور دنیا دونوں میں فائدہ ہوتا ہے سب کو ایماندار بننا چاہئے۔ ایماندار کو خدا بہت پسند کرتا ہے۔ اس کی ایمان داری آخرت کے دن کام آئے گی۔ ہم پر کیسی ہی مصیبت کیوں نہ ہو لیکن ہم کو ایمان داری سے کام لینا اور سچ بولنا چاہئے ایمان داری سے ہر شخص کی عزت ہوتی ہے۔ *

پیام بھائیو! ہمیں چاہئے کہ ہمیشہ ایمان داری سے کام لیں۔ *

احمد طارق عمر۔ گوٹہ۔

غلام اور نہ جان نواز دی

ایک امیر جو بڑا سخی تھا اپنے کھیتوں اور باغوں کو دیکھنے کے لئے گھر سے نکلا۔ اس نے ایک آم کا باغ دیکھا جو کسی اور آدمی کی ملکیت تھا۔ ایک غلام اس باغ میں اسکی نگہبانی کر رہا تھا۔ اس غلام کے گتے تین دھکی روٹیاں رکھی تھیں۔ امیر کے وہاں پہنچنے کے بعد ہی ایک بھوکا کتا کہیں سے چلا آیا اور اس غلام کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ غلام نے ایک روٹی اس کے کوڈالی جو اس نے کھالی اور پھر غلام کا منہ تکنے لگا۔ غلام نے دوسری روٹی اسے دی وہ بھی اس نے کھالی اور پھر دم چلانا اور غلام کو تینا شرمع کر دیا۔ غلام نے کتے کو تیسری روٹی بھی دیدی جس سے کتے کا پیٹ بھر گیا اور وہ ایک طرف کو جا بیٹھا۔

امیر غلام کی جانب بڑھا اور اس سے پوچھا کہ تجھ کو کتنی روٹیاں تیرے مالک کی طرف سے روزانہ ملتی ہیں، اس نے کہا، یہی تین، جو آپ نے دیکھیں! امیر نے کہا

مجھے تعجب ہے کہ تو نے ساری روٹیاں کتے کو کھلا دیں اور خود بھوکا رہا۔ اس کا کیا سبب ہے کہ تو نے اپنی جان سے زیادہ کتے کو سمجھا، غلام نے کہا، امیر تجھے معلوم ہے کہ اس کُٹل میں کتے نہیں رہتے۔ خبر نہیں یہ کتا کتنی ددر سے آیا اور کتنے دن کا بھوکا تھا۔ جو میرے ہاتھ میں روٹیاں دیکھ دیکھ کر تیرے سامنے اس امید پر اکھڑا ہوا کہ میں اسکی مراد پوری کروں۔ میں نے سمجھ لیا کہ آج میں بھوکا رہوں اور اس مہمان کو جو اتفاقاً تیرے پاس اپنی تمنائے کر آیا ہے، اپنی خوراک کھلا دوں۔ بہت برے ہیں وہ لوگ جو اپنے یہاں کو اپنے اوپر ترجیح نہ دیں *

یہ سن کر امیر نے اپنے دل میں کہا، یہ غلام مجھ سے زیادہ سخی ہے جو تنگ دستی میں سخاوت کرتا ہے۔ اور غلام سے اس باغ کے مالک کا پتہ لے کر اس کے گھر پہنچا اور اس کو یہ باغ اور غلام دونوں کو منہ مانگی قیمت پر خرید لیا۔ پھر وہ باغ اس غلام کے نام سبہ کے غلام کو آزاد کر دیا *

جبرادھادب

ہو تو ف جو لایے

ایک گاؤں میں دو جولاہے رہتے تھے۔ ایک کا نام تھا بدھو، دوسرے کا تھا کلو۔ یہ دونوں حد سے زیادہ ہوتوف تھے۔ ایک دن دونوں گاؤں سے باہر کسی کام کے لئے جارہے تھے راستہ میں بت سے گنتوں کے کھیت پڑے۔ گنتوں کو دیکھ کر کلو کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور کہنے لگا۔ بھائی بدھو کیا ہی اچھا ہو جو ہم دونوں گاؤں کے کھیمیا سے تھوڑی سی زمین لے کر شرکت میں گئے ہو میں؟

یہ سن کر بدھو چلا اٹھا اور کہنے لگا واللہ کیا اچھی بات کہی۔ مگر جب گئے خوب بڑے ہر کر کھانے کے قابل ہو جائیں گے تو میں توڑوں گا۔ چٹ“ اور کلو نے کہا میں توڑوں گا۔ چٹ پٹ“

بدھو نے یہ سن کر کہا۔ بے گدھے کے بچے، ہم نے تو ایک توڑا۔ اور تو نے دو توڑ لئے۔ جانتا ہے ابھی لاٹھیوں کے مارے

سر پھوڑ دوں گا۔ یہ کہہ کر ایک لٹھ اس کے سر پر رسید کیا۔ اور کلو نے بھی ایک لٹھ اس کی پیٹھ پر مارا۔ اب تو دونوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ اتنے میں ایک بڈھا اس راستے سے گذرا۔ اور ان دونوں کو لڑتے دیکھ کر اس کا سبب پوچھا۔ بدھو نے تمام قصہ سنایا۔ بڈھا یہ قصہ سن کر سنس پڑا اور جدھر جاتا تھا اُدھر چلا گیا۔

محمد منظم۔ جیرا چوری
(جامعت ثانوی اول جاسٹو)

لطیفہ

ایک لڑکا اپنے دوستوں سے کہنے لگا کہ ”بھئی میں اور میری ماں دونوں بچوی ہیں“ دوستوں نے پوچھا۔ ”وہ کس طرح؟“ لڑکے نے کہا کہ جب آسمان پر ابر چھاتا ہو تو میں کہتا ہوں: ”بارش ہوگی“ اور ماں کہتی ہے کہ ”بارش نہیں ہوگی“ غرض ہم دونوں میں سے کسی ایک کی بات ضرور پوری ہو جاتی ہے +
عبد السبع۔ جماعت ابتدائی ششم۔ جامعہ طبع



۷ مئی سنہ ۳۳ ع

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ہندوہ روزہ تعلیمی رسالہ

جلد ۱۴ نمبر ۹

فہرست مضامین

- | | |
|---------------------------|--------------------|
| عبداللہ شرفی مدراس ۱۳۸ | ۱ سورج |
| سید محمد عسکری ۱۳۸ | ۲ عجائب خانہ سمندر |
| ابو طاہر داؤد ۱۴۰ | ۳ زینہ کی سبزیاں |
| آنسہ خورشید تاج ۱۴۲ | ۴ امید |
| مسموع علی نالکراچی ۱۴۴ | ۵ بہادری کا امتحان |
| بشیر احمد قریشی ۱۴۵ | ۶ فیک کی بدادہ |
| سیدہ مسموع علی میرٹھی ۱۴۶ | ۷ نوکر |
| جیل الرحمن بیکس ۱۴۸ | ۸ مسوری |
| بدرالدین صاحب چینی ۱۵۰ | ۹ دادی کا دل |
| رشید الدین ۱۵۱ | ۱۰ کتا |

Jamia Press

ایڈیٹر: سعید انصاری

پرائمری اور مل اسکولوں کے لئے

آسان خوش خطی

یہ کتابیں اس خیال کو مد نظر رکھ کر تیار کرائی گئی ہیں کہ بچے بغیر استاد کی مدد کے نہایت آسانی سے مشق کر سکیں اور اپنا خط اچھا کر لیں۔

خوش خطی کے یہ حصے بہت مفید ثابت ہوئے ہیں۔

حصہ اول۔ الف سے تے تک کی مشق۔ بطرز جدید قیمت ۱/-

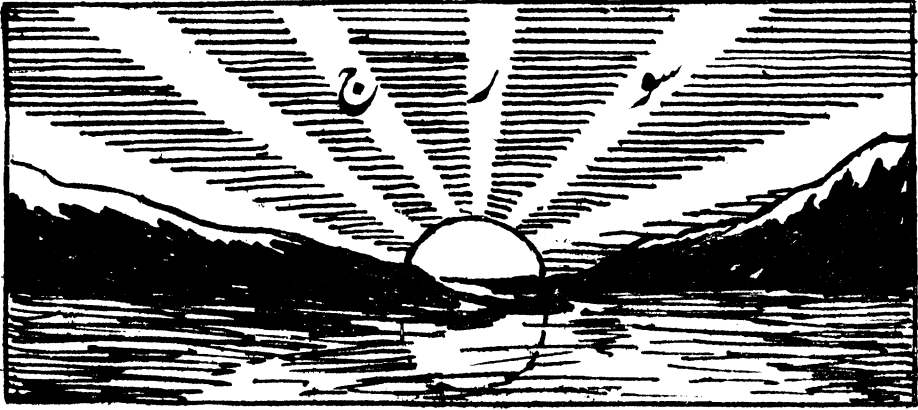
” دوم تختیاں۔ بطرز جدید “

” سوم مرکب الفاظ، جوڑ اور شوشوں کی مشق “

” چہارم۔ دلچسپ اور اخلاقی اشعار کی مشق “



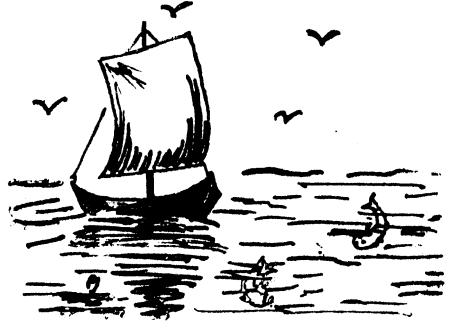
مکتب جامعہ قزوین و بلبغ دہلی



چمک اپنی سب کو دکھائی دے والا
وہ پورب میں دیکھو نظر آ رہا ہے
وہ دیکھو سیاہی کو اس نے مٹایا
ہمیشہ سے ہے بس یہی کام اس کا
غضب کی چمک ہے، ہلاکتی دمک ہے
دکھتا ہے بس آنکھ کی طرح چہرہ
مگر آسمان پر جو چھاتے ہیں بادل
سبق اس سے محنت کا حاصل کرو تم
ارادہ جو ہو اس کو کامل کرو تم

(از محمد عبد اللہ شرقی)

عجائب خانہ سمندر



جو سمندر کی سطح پر بہتا دکھائی دیتا ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے بہت دور دور تک سمندر میں جال بچھائیے جاتے ہیں اور کبھی کبھی ڈریج کے ذریعہ سمندر کی تہ کھرج کر باہر لائی جاتی ہے۔ اور اس میں سے عنبر چن لیا جاتا ہے۔ یہ ایک قیمتی چیز ہے بشرتی ملکوں میں تو عموماً دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر مغربی ممالک میں اس کی مالاہیں سگرٹ، سنگار دان اور بازو بند وغیرہ تراشو جاتے ہیں +

پانی کے نیچے کی لڑائیاں

۱۔ حیوانوں کی زندگی کا مقصد :- تم نے کبھی غور کیا ہے کہ تمام دن میں کیا خیالات تمہارے دل میں آتے رہتے ہیں اور ان میں کسنا کھانے کا خیال کتنی مرتبہ دماغ میں گزرتا ہو یہ تو نہیں کہ تم جو بیس گھنٹے کھانے ہی کی فکر میں رہتے ہو۔ اگر کھانے کا خیال آتا بھی ہوگا تو دن بھر میں تین چار مرتبہ۔ اور ہر مرتبہ گھنٹے آدھے گھنٹے میں تم پیٹ بھر کے کھا لیتے ہو۔ ان اوقات کے علاوہ تمہیں اپنے بہن یا دکنے

اس طرح پر سمندری خزانوں سے رنگ برنگ کے کارل، مرجان، سوتی، سیپ، اسپنج، پشیمینہ اور جانوروں کا گوشت انسان ہر سال نکالتا اور صرف کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ ویل مچھلی میں سے تیل، چربی اور سطح پر بہتا ہوا دریائی عنبر بھی بکثرت حاصل کیا جاتا ہے۔ عنبر دراصل ایک درخت کا گوند ہے۔ دنیا میں آج سے لاکھوں برس پہلے عنبر کے درختوں کے بڑے بڑے جھکل تھے۔ یہ کسی نہ کسی سبب سے دریا کی تہ میں اتر گئے۔ یہ انہیں درختوں کا عنبر ہو

کی فکر رہتی ہوگی۔ کھیل کود کا خیال آتا ہوگا دوست احباب کی یاد آتی ہوگی۔ غرض ہزار مختلف خیالات متھارے دل میں گزرتے ہوں گے، تمہیں پر کیا سوچوں ہے، تمام انسانوں کی یہی کیفیت ہے کہ انہیں دن بھر میں دو تین مرتبہ کھا نا کھانے کی خواہش ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جانوروں کو دیکھو پالتو جانوروں کے سوا باقی کل وحشی جانور تیزی دیر جاگتے رہتے ہیں، کھاتے پیتے رہتے ہیں اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کی خواہش کے علاوہ ان کے دل میں اگر کوئی اور خیال گزرتا بھی ہے تو صرف اپنے یا اپنے بچوں کی حفاظت کا خیال ہوتا ہے۔ فطرت نے ان کے دماغ کو اس قابل بنایا ہی نہیں کہ متھاری طرح پڑھنے لکھنے، ترقی کرنے، اور کھیلنے کودنے کے خیالات ذہن میں لاسکیں۔ اگر ان کا دماغ اس طرح سے کام کر سکتا تو آج وہ بھی انسانوں کے مانند بڑے بڑے مکانوں میں رہتے، اچھی اچھی سوڑوں میں بیٹھتے اور ریلوں اور ہوائی جہازوں میں سفر کرتے۔ حیوانات کی زندگی پر جب غلمندوں

نے غور کیا تو ان کو عمر بھر صرف اس خیال میں مہمک پایا کہ اپنا پیٹ کس طرح بھریں اپنی جان کیسے بچائیں۔ اور اپنے لئے شکار کس طرح حاصل کریں۔ یعنی دوسروں کی جان کیسے لیں۔ اسی ذہنیت کی مناسبت سے قدرت نے ان کے جسم بھی بنا دیئے ہیں۔ کسی کو زبردست ہاتھ پاؤں دیئے۔ کسی کو تیز دانت، کسی کو مضبوط کلاہ جبر اعطا کیا۔ شیر کو دیکھو چیرنے پھاڑنے میں کتنا تیز دست واقع ہوا ہے۔ اگر انسان کے سر پر اس کا پنجہ پڑ جائے تو سر اور گردن دونوں سینے میں اتر آئیں۔ ہاتھ کی حالت پر غور کرو، اس کا ایک پیر انسان کی ہڈی پہلی ایک کرینے کے لئے کافی ہے۔ جن چھوٹے جانوروں کو بڑا جسم، غیر معمولی طاقت، لمبے ناخن اور تیز دانت قدرت سے نہیں ملے ہیں۔ ان کو ہلاک کرنے کی قوت دوسری شکلوں میں عطا ہوئی ہے۔ بچھوؤں کا خیال کرو، اس کے ڈنک بھی بھانوں سے کم نہیں۔ سانپ کو کس نے نہیں دیکھا۔ بس کی گانڈ اور ہر کی پڑا ہوتا ہو +

(از سید عسکری صاحب)

تمھارے لیے میں کتنی سیڑھیاں ہیں

میں نے میز کی تصویریں الٹ پلٹ کر دیکھیں
لیکن مجھکو یہ پتہ نہ چلا کہ کون کون سی تصویریں
غائب ہیں۔ نہ یہی میں نے گنا تھا کہ میرے
پاس سب تصویریں کتنی تھیں۔ اس لئے
میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ ”مجھے نہیں
معلوم“

”ہا ہا“ انھوں نے ایک لمبا قبضہ لگایا
”بے وقوف۔ کس کی تصویریں“ انھوں نے
بعد کو کہا۔

”میری! ماموں اور کس کی“ میں نے
جواب دیا۔

”واہ! اگر تمھاری ہوتیں تو تم کو فوراً یاد
آجاتا کہ فلاں فلاں تصویر غائب ہے۔“

”تو اس سے کیا ہوتا ہے“ میں نے ہٹ
دھرمی کرتے ہوئے کہا۔

”کیوں نہیں، ہر چیز کو خود سے دیکھا
کر و اور اس کو یاد رکھا کرو۔ ورنہ دھوکہ اٹھاؤ
گے۔“ انھوں نے تصویریں واپس کتنے
ہوئے کہا۔ میں نے تمھارے حافظہ کا امتحان

میں اپنے پڑھنے کے کمرے میں میز پر سر
جھکائے بیٹھا ہوا تھا اور میرے سامنے رسالوں
سے نکالی ہوئی بہت سی تصویریں رکھی ہوئی
تھیں جن کو چھانٹ چھانٹ کر میں نے علیحدہ
رکھا تھا۔ تاکہ ان میں فریم لگو کر اپنے کمرے
کی دیواروں پر لگا دوں۔ ماموں جان
داخل ہوئے۔ میں ادب کے لحاظ سے فوراً
کھڑا ہو گیا۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے آکر
میرا کان پکڑا۔ اور کہا۔ ”ادھر دیکھو“ میں نے
ان کے کہنے کے مطابق ادھر دیکھا۔ انھوں
نے اتنے ہی میں میری میز پر سے چند تصویریاں
اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیں اور منہ موڑ کر
جانے کا ارادہ کیا۔

”میری تصویریں۔ ماموں“ میں نے
گرگڑاتے ہوئے کہا۔

”کون سی تصویریں“ ماموں نے کھڑے
ہو کر پلٹتے ہوئے کہا۔

”تمھاری تصویریں سب کتنی تھیں“ انھوں
نے میز کے قریب آتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد پوچھے گا: یہ کہتے ہوئے
میں نے بہت غور سے اپنے چاروں طرف
نگاہ دوڑائی اور اس کے بعد ان سے سوال
کرنے کی درخواست کی۔

”کھونٹی کے اوپر تمہارے سوزے کی
کے جوڑیاں لٹکی ہوئی ہیں؟“
”تین، تین“ میں نے لغزہ مارتے ہوئے
کہا۔

”اچھا دیکھو“

میں نے جا کر دیکھا تو وہاں صرف ایک
جوڑی لٹکی ہوئی تھی۔ مگر ایک ہفتہ پہلے میں نے
تین جوڑیاں نکالی تھیں۔ میں نے سوچنا
شروع کیا اور بعد کو یاد آیا کہ وہ جوڑیاں
میں نے اپنے چچا زاد بھائیوں کو دے دی
تھیں۔

”تمہارے پشت کی کھڑکی میں کے سلاخیں
لگی ہوئی ہیں؟“ انھوں نے ہنستے ہوئے
اور سوال کیا۔
خاموش۔

”تمہاری میز کے کئے پاؤں ہیں؟“
”چار“

یہ تھا مگر تم بہت کچھ نکلے۔ انھوں نے
طعنہ دیا۔ ”اچھا اور کوئی سوال کیجئے“ میں
نے شرماتے ہوئے کہا۔

ادھر میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے اور
ادھر انھوں نے لپک کر میری آنکھوں پر
ہاتھ رکھ لیا۔ اور اس کے بعد کہنے لگے۔
بتاؤ میں کس رنگ کی ٹوپی پہنے ہوں؟

”کالی! — اے نہیں سفید جی نہیں
کالی۔ کالی ہی ہے“ میں نے آخر کے فقرے
پر زور دیتے ہوئے کہا۔ یہ سنتے ہی انھوں
نے میری آنکھوں کے اوپر سے ہاتھ ہٹائے
آپ سے کیا عرض کروں کہ مجھے کتنی بڑی
ندامت اٹھانا پڑی ہے۔ ماموں ٹوپی
پہن کر آئے ہی نہ تھے۔ میں بھی اندھا تھا
کہ تصویروں کے لئے ان سے جھگڑتا رہا
لیکن ان کے سر کی طرف نہ خیال کیا۔

”بس! آپ کی کے آنکھیں ہیں جناب“
انھوں نے میرا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

”اچھا اب کی میں ضرور بتاؤں گا“ میں نے
یقین سے کہا۔ اچھا ٹھہر جائے۔ پہلے میں
کمرے کی سب چیزوں کو غور سے دیکھ لوں

امید

رات اندھیری ہے اور میرا نصیب
اس سے زیادہ تاریک۔ میرے اللہ !
تو نے مجھے دولت مند اور خوش حال خاندان
میں پیدا کیا۔ یہ وہ خاندان تھا جس پر لوگ
ریشم کیا کرتے تھے۔ میں اسی برباد خاندان
کا ایک ٹٹماتا ہوا دیا ہوں۔ میری اور میرے
خاندان والوں کی پچھلی زندگی کیسی اچھی تھی
میرا جی کیسا ہر وقت خوش رہتا تھا۔
مگر اب اس بد نصیب خاندان پر خزانہ
نے اپنا ڈیرہ جمایا ہے۔ بہت سے عزیز و غم
کو سدھائے۔ جو باقی بچے ان میں سے بھی کئی
ایک غریبی اور فقیری کی زندگی سے اکتا کر
وطن سے بے وطن ہو گئے۔ میں اس زمانہ
میں پڑھتا تھا۔ اماں نے بہتری کو کشش
کی کہ میری تعلیم پوری ہو جائے۔ مگر تقدیر
کے آگے کسی کی پیش نہیں جاتی۔ مجبوراً میں
پڑھنا چھوڑ دیا اور اب مدتوں سے نوکری
کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہوں۔ مگر کہیں
نوکری نہیں ملتی۔

غلط۔ دیکھو تین ہیں۔ ایک میں خالی ہاتھ
لگا ہے۔ افسوس ہو۔ تم اس میز کو چھواہ سے
استعمال کر رہے ہو۔

”اچھا بتاؤ، تمہارے نیپے میں کل کتنی
سیرھیاں ہیں“
خاموش۔

”مرعی کے پیر میں کے ناخون ہوتے ہیں“
”چار“

”واہ“

”جی نہیں، تین“

”ہا ہا“ انھوں نے تہقیر لگایا۔ ”جناب

چار ہی ناخون ہوتے ہیں۔ مگر آپ کو اپنی
آنکھوں پر یقین ہی نہیں۔ جائے۔ آپ
فرے وہ ہی ہیں۔ میں آپ سے نہیں بولتا
کتا میں آپ کو کوئی فائدہ نہ دیں گی۔

یہ کہتے ہوئے ماموں میرے کمرے
سے چلے گئے۔ اس دن سے میں ہر چیز کو
بہت غور سے دیکھتا ہوں اور اپنے دماغ
میں محفوظ رکھتا ہوں۔

سید ابوالطاہر دہلوی

— — — — —

لے رزاق! کہاں تک صبر کروں
چھوٹے چھوٹے بھائی بہن، دودن سے بڑے
فاقہ سے ہیں۔ جس وقت گھر میں داخل
ہوتا ہوں سب چھوٹے معصوم بچے میری
طرف امید بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں
اور میرے غالی ہاتھ دیکھ کر خاموش ہو جاتے
ہیں۔

اے رحیم! رحم کر۔ اب مجھ سے یہ نہیں
دیکھا جاتا کہ ماں ایک ٹوٹی چار پائی پر پڑی
درد سے کراہ رہی ہے۔ سردی سے بچنے
کے لئے اسے ایک پھٹا پرانا لحاف تک
میسر نہیں۔

اب میں شہر سے بہت دور آ گیا
ہوں، ندی قریب ہے۔ میں اس ندی
کی گود میں جانا چاہتا ہوں۔ اُف۔ میرے
پیر لرز رہے ہیں۔ دل کانپ رہا ہے۔
اے خدا مجھے ندی تک پہنچنے کی طاقت
عطا کر! استمائے جھلملا ہے ہیں۔ پتو
پھٹ رہی ہے۔ پرندوں نے چھپا نا
شروع کر دیا ہے۔ اے معبود! اب یہ
تیرا گنہگار بندہ تیرے دربار میں آتا ہے

قریب المرگ ماں اور چھوٹے چھوٹے
بھائی بہن تیری حفاظت میں۔
نوجوان ندی میں کودنا چاہتا تھا، کہ
اچانک ایک شریف عورت سبز ریشمی
لباس پہنے سامنے آئی۔ اور لپک کر
اس نے نوجوان کے بازو تھام لئے۔
نوجوان۔ ”اے شریف خاتون! اللہ مجھے
چھوڑ دیکئے۔ میں اپنی زندگی سے عاجز
آ گیا ہوں۔“

عورت۔ ”اے نوجوان! مجھے تیری
جوانی پر رحم آرہا ہے۔ اس کام سے باز
آ۔ اور گھر کا رستہ لے۔“

نوجوان۔ نہیں میں گھر نہیں جاؤں گا۔
دنیا میں میرے لئے کوئی امید باقی نہیں۔
بس اب موت ہی میرے سارے دکھوں
کا علاج ہے۔

عورت۔ نہیں میں تجھے نہیں چھوڑ دے گی
کیا تو اس دنیا میں بالکل اکیلا ہے؟
نوجوان۔ نہیں میں بالکل تنہا نہیں ہوں
میرے چھوٹے چھوٹے دو بھائی اور تین
بہنیں ہیں۔ ماں قریب المرگ ہے۔ میں

نوکری کی تلاش میں ہر جگہ مارا مارا پھرتا رہا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ گھر میں دودن سو برابر فاقہ ہے۔ بچے بھوک کی شدت سے بلبلا رہے ہیں۔ ہر طرف ناامیدی ہی ناامیدی نظر آرہی ہے۔ میں نے ان تمام مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ دیکھئے روشنی پھیل رہی ہے۔ مجھے چھوڑ دو۔ عورت لئے نوجوان! سن! میں امید ہوں۔ غریبوں کی مددگار، بے کموں اور یتیموں کو راستہ دکھانے والی۔ ناشاد اور نامراد دلوں کی دھارس۔ دنیا میرے سہارے جیتی ہے۔ جا، ایک مرتبہ پھر قسمت آزما۔“

از آئندہ خورشید تلج۔ علی گڑھ

بہادری کا امتحان

ایک دن شہنشاہ عالمگیر کے پاس ایک سپاہی نوکری کے لئے آیا۔ بادشاہ نے اس سے کہا کہ پہلے ہم تمہاری بہادری کا امتحان لے لیں۔ تب ملازمت دیں گے۔ سپاہی نے کہا: بہت اچھا! بادشاہ نے اسے ایک رنگ

دیا اور کہا کہ فلاں دریا میں رات کے وقت اس مقام پر جہاں پانی اتنا تنگہرا ہے، تم کو ایک مردہ سفید کپڑوں میں لپیٹا ہوا پانی پر تیرنا ہوا ملے گا۔ اس کے ایک ہاتھ پر یہ رنگ لگا دینا۔ سپاہی رنگ لے کر اپنے گھر آیا اور رات کو اسی جگہ پر گیا۔ دیکھا تو سچ منج ایک لاش سفید کپڑوں میں لپیٹی ہوئی پانی پر پڑی تھی۔ سپاہی اس کے قریب گیا اور رنگ لگانے کے لئے اس کا ہاتھ پکڑا۔ لیکن لاش نے ہاتھ اپنی طرف کھینچ لیا۔ سپاہی نے کہا: ”بادشاہ کا حکم ہے۔ ہاتھ لا۔ ورنہ چاقو سے مار ڈالوں گا۔ لیکن لاش اپنا ہاتھ اس کے قریب نہ لائی۔ تب سپاہی نے اس کے ہاتھ میں چاقو مار دیا۔ جب لاش نے دیکھا کہ سپاہی نہیں مانتا ہے تو اس نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اور سپاہی رنگ لگا کر خوشی خوشی اپنے گھر واپس ہوا۔ دوسرے دن جب سپاہی بادشاہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ بادشاہ کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہے۔ بادشاہ نے سپاہی کو کچھ باتیں کیں اور اس کی بہادری کو خوش ہو کر ایک لپٹے عہدے پر مقرر کر دیا۔

(از سید سید علی صاحب نانگلامی۔ جوبال)

نیکی کا بدلہ

ایک لڑکا نام جس کا قیس تھا
 جارہا تھا ایک دن وہ شام کو
 ایک کتے پر نظر اس کی پڑی
 رحم آیا قیس کو بے جان پر
 وہ دکان کھانے کی تھی۔ کھانا لیا
 پیٹ میں چارہ جو پہنچا خوش ہوا
 دیکھتا تھا قیس کو وہ بار بار
 ایک دن لڑکے نہانے کے لئے
 کو دے پانی میں، نہانے کے لئے
 کوئی پانی میں اڑاتا بلبلدا،
 ٹانگ کھینچی قیس دھڑ سے گر گیا
 پانی منہ میں، ناک میں جانے لگا
 پاس پہنچا کو دکر امداد کو
 اور کنارے لاکے بٹھلایا اسے
 شام کو کھانا کھلایا تھا جسے،
 قیس کو نیکی کا پھل اچھا ملا
 لے عزیز دم سے خوش ہو گا خدا
 (از بشیر احمد قریشی)

یہ وہی کتا تھا۔ لاکے قیس نے
 آج اس احسان کا بدلہ دیا
 رحم کھاؤ۔ بے کسوں پر رحم سدا

نوکر



پیام بھائیو! اگر خوش قسمتی سے تم نے خوش حال ماں باپ کی گود میں آنکھ کھولی ہو تو تم اپنے گھر میں چند ایسے لوگ بھی ضرور دیکھتے ہو گے۔ جو تمہارے ملازم یا نوکر کہلاتے ہیں۔ یہ بے چارے بھی ہماری تمہاری طرح انسان ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ بے چارے بہت غریب ہیں اور ہمارا کام اور خدمت کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ بہت سے بچے اپنے نوکروں کو بہت ذلیل خیال کرتے ہیں۔ بات بات پر ان پر ناراض ہوتے ہیں اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں۔ ناواق ان غریبوں کو دق کرتے ہیں۔ اول تو جو شخص بھی ان بچوں کی یہ باتیں دیکھتا ہے ان کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ دوسرے نوکر بھی ایسے بچوں سے دل ہی دل میں ناخوش

رہتے اور برا سمجھتے ہیں۔ اور خوشی کے ساتھ ایسے بچوں کا کام نہیں کرتے۔ بلکہ اس مجبوری سے کہ وہ ان بچوں کے ماں باپ کے ملازم ہیں +

نوکروں کو ذلیل سمجھنے والے اور نوکروں کے ساتھ برابر متاؤ کرنے والے بچے اگر عقل سے کام لیں اور غور کریں تو انہیں معلوم ہو کہ نوکر ہمارے ہاتھ پاؤں اور آنکھیں ہیں کیونکہ ہمارا جو کام ہمارے نوکر کرتے ہیں اگر ہم خود کرتے تو ہمیں اپنے ہاتھ پاؤں وغیرہ ہی سے کام لینا پڑتا۔ اور نوکروں کی وجہ سے جو آرام اور سہولت ہم کو ملتی ہے وہ ہرگز میسر نہ آتی۔ دوسرے ہمارے قیمتی وقت کا بہت بڑا حصہ گھر کے ذرا ذرا سے کاموں کے کرنے میں صرف ہو جاتا اور اپنی تعلیم اور دوسرے مفید اور ضروری کاموں میں ہم زیادہ وقت نہ دے سکتے +

بچو! تم نے دیکھا کہ نوکر ہمارے کس قدر کام آتے ہیں۔ اور جو بچے اپنے نوکروں کو برا اور ذلیل سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے ہیں وہ کس قدر

بے وقوف ہیں۔ غصہ مند اور نیک بچے کبھی اپنے نوکروں کو برا اور ذلیل نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور ان سے نرمی اور آہستگی سے باتیں کرتے ہیں۔ ایسے بچوں سے نوکر بھی خوش رہتے ہیں۔ ہر جگہ ان کی تعریف کرتے ہیں اور جو شخص بھی دیکھتا ہے وہ ان بچوں کی شرافت اور نیکی کی تعریف کرتا اور خوش ہوتا ہے۔

عزیزو! تمہیں خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم ہے کہ اس نے تمہیں تمھاری خدمت کے لئے نوکر مرحمت فرمائے ہیں۔ اور یہ شکر جب ہی پوری طرح ادا ہو سکتا ہے جبکہ تم اپنے نوکروں کو خوش رکھو۔ اور ان سے مہربانی سے پیش آؤ۔ ان کے در

اور دکھ میں کام آؤ۔ ان کی خوشی اور غم میں شریک ہو۔ یہ بات نہ صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کا باعث ہوگی بلکہ نوکر بھی تمھارے بچے خیر خواہ اور ہمدرد ہو جائیں گے اگر نوکر سے کوئی غلطی یا قصور بھی ہو جائے تو معاف کر دینا چاہئے۔ اور سمجھا دینا چاہئے تاکہ آئندہ وہ احتیاط سے کام کرے انسان

سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ نوکر بھی دل اور دل میں خواہش رکھتے ہیں۔ ان کا بدن فوٹا کا بنا ہوا نہیں ہوتا۔ ہر وقت کام کرتے کرتے وہ بھی تھک جاتے ہیں۔ اور انھیں بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے انھیں ہر وقت پریشان اور دق کرنا نہیں چاہئے۔ اور ان کی ضرورتوں اور خواہشوں کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں، ”مزدور خوشدل کند کار بیش“ یعنی وہ مزدور کہ جس کا دل خوش ہوتا ہے زیادہ کام کرتا ہے۔ ہمارے آقائے نامدار آنحضرتؐ صلعم کا ارشاد ہے کہ کھانے اور پہننے میں نوکروں کو اپنے برابر سمجھو ۴

(از جناب سعود صاب - بیروت)

کیسا آپ کو اپنا نمبر خریداری یاد ہے اگر یاد نہ ہو تو مہربانی فرما کر پتے کی چٹ پر ملاحظہ فرمائیجئے خط و کتابت میں نمبر کے حوالے سے بڑی سہولت ہو جاتی ہے۔ ورنہ بسا اوقات جواب دینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ براہ کرم اسے نہ بھولئے

مہتمم



منصوری کی سیر

بھی تیار تھے۔ سب اسٹیشن روانہ ہو گئے
 ہر دوار تک واپسی کے ٹکٹ خریدے گئے
 اور ریل میں سوار ہو گئے۔ اس وقت
 بھوک بہت زبرد کی لگ رہی تھی۔ مگر
 جلدی میں کوئی انتظام نہ ہو سکا۔ گاڑی روانہ
 ہوئی اور ۱۲ بجے دوپہر سہارنپور پہنچی جہاں
 لکسر کے لئے گاڑی بدلتی تھی۔ ہم نے ماسٹر
 صاحب سے کھانے کے لئے تقاضا کیا۔ مگر
 ماسٹر صاحب نے فرمایا کھانا لکسر پہنچ کر
 کھائیں گے۔

خدا خدا کر کے دو بجے لکسر پہنچے۔ یہاں
 کھانا کھایا۔ اور دوسری گاڑی بدلی۔ کھانا

آج سے تین سال پہلے جب میں جامعہ
 ملیہ کی شاخ ملا میں پڑھتا تھا۔ ایک تجویز
 مسوری (منصوری) جانے کی پاس ہوئی۔
 جانے والوں میں شاخ کے پانچ طالب علم
 دو استاد اور جامعہ کے کچھ استاد اور
 طالب علم تھے۔ طے یہ ہوا کہ جمعہ کے دن
 صبح کو روانہ ہوں۔ مگر صبح صبح سب کا اپنے
 مکانوں سے اسٹیشن پر پہنچنا مشکل تھا۔ اس
 لئے یہی رائے ہوئی کہ جمعرات کی رات کو
 مدرسہ ہی میں بستر لگائیں۔

صبح سویرے حافظ فیاض احمد صاحب
 اپنے ساتھیوں سمیت تشریف لے آئے۔ ہم

کیا تھا، سوئی سوئی کچوری جیسی روٹیاں، کدو کی ترکاری اور دہی بڑے۔ مگر بھوک کی وجہ سے اس میں بھی پلاؤ و قورمہ کا مزہ آیا +

کھانا کھانے کے بعد دوسری گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ہمارے ڈبے میں ایک لالہ صاحب تھے۔ ان کے سامان میں مٹھائی کی ایک ٹوکری بھی تھی۔ وہ اتفاق سے کسی ضرورت سے ڈبے سے باہر تشریف لے گئے۔ اتنے میں یار لوگوں نے مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے کی مثل پر عمل کرتے ہوئے دو چار لڈو اس میں سے نکال لئے۔ بے چارے لالہ جی کو جب مٹھائی کی ضرورت پڑی ہوگی تو معلوم انھوں نے کیا خیال کیا ہوگا۔ غرض پانچ بجے ہر دو اور پہنچ گئے۔ رات ایک سہرے میں گذاری۔ صبح کو دہرہ دون روانہ ہو گئے۔ دہرہ دون سے راج پور تک کے لئے لاری کی۔ راج پور سے پھر مسوری تک کے لئے تین قلی دو گھوڑے کرائے پر کئے۔ اور خدا کا نام لے کر مسوری روانہ ہو گئے۔ گھوڑوں پر صرف طالب علم ہی سوار ہوتے تھے۔ مینہ تمام راستہ برستار رہا۔ بڑی دقت سے

ہاتھ ہاؤس پہنچے۔ یہاں کچھ دیر آرام کیا۔ چارپائی اور پھر روانہ ہو گئے۔ تقریباً ۵ بجے شام مسوری پہنچے۔ مسلم ہائی اسکول میں جا کر ٹھہرے۔ رات کو پاپولر ہوٹل میں جامعہ کے ایک طالب علم کی طرف سے دعوت تھی۔ وہاں کھانا کھایا اور سو گئے۔ دوسرے روز اتوار کو کاسٹی فال دیکھنے گئے اور ہجے واپس آئے۔ پاپولر ہوٹل ہی میں کھانا کھایا۔ اور رات کو مسلم اسکول میں سوئے۔ پیر کو وہاں سے راج پور لوٹے۔ رات دہرہ دون میں امپیریل ہوٹل میں ٹھہرے۔ اور مسوری کی روشنی کا نظارہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑوں پر درختوں میں بھلیاں اگی ہوئی ہیں۔ منگل کی صبح کو وہاں سے روانہ ہو کر شام کے پانچ بجے دہلی پہنچ گئے +

از حبیب الرحمن صاحب کبیر

بہنجائی اسلامیہ اسکول دہلی

دادی کا دل

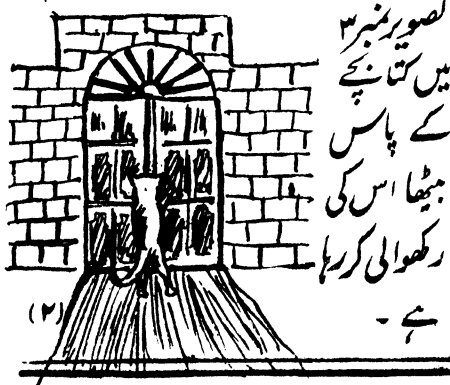
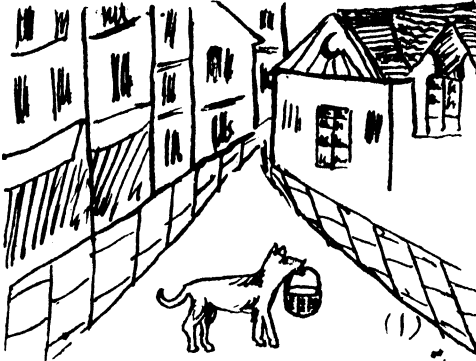
رسلد کے لئے، برابر میں کا پیامِ تعلیم ملاحظہ ہو)

دولن دین کو اس وقت کچھ ڈر سا معلوم ہونے لگا۔ باپ کی محبت کا تقاضا تھا کہ اپنے بچہ کا علاج خود کرے۔ کیونکہ اس وقت بستر پر پڑے ہوئے مریض کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں آدھی بند اور آدھی کھلی تھیں کبھی کبھی کھانسی بھی آجاتی تھی۔ ایسی حالت میں کون سا ایسا ڈاکٹر ہوگا۔ جو باپ سے زیادہ ہمدردی اور شفقت کرے گا اور اس ننھی سی جان کو اپنی جان سمجھتا ہوگا۔ آخر باپ کی محبت کے جذبہ نے اسے آمادہ کر دیا کہ اپنی ماں کی بے جا ضد اور ہٹ کی پروا نہ کرے۔ اس نے بھی ماں کے غصہ کا جواب غصہ سے دیا۔ اور زور سے چلا کر کہا: ”دیار میرا بیٹا ہے۔ میں اس کا باپ ہوں۔ اگر باپ اپنے بیٹے کا خیال نہ کرے تو وہ باپ ہی نہیں۔ آپ اس میں دخل نہ دیجئے۔ میں اپنے بچہ کا علاج خود کروں گا۔“

اور اچھی طرح کروں گا۔ انشاء اللہ جلد اچھا ہو جائے گا۔“

دولن دین کا یہ جواب سن کر دادی کے غصہ کا پارہ اور بھی چڑھ گیا۔ کہنے لگیں ”کم نجت تم نہیں جانتے وہ میرا پوتا ہے۔ اور اکلوتا پوتا۔ خبردار جو تم نے ہاتھ لگایا۔ نہیں تو میں اپنی جان دے دوں گی۔“ یہ کہہ بڑھی دادی کچھ مایوس سی ہونے لگیں ان کو اپنے اکلوتے پوتے سے جو امید تھیں وہ خاک میں ملتی نظر آرہی تھیں۔ انھیں دیار کے باپ پر بالکل بھروسہ نہیں تھا۔ انھیں یقین تھا کہ اگر کوئی دوسرا شہور حکیم نہ بلایا گیا تو خدا نخواستہ بچہ کی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد پھر بڑبڑانے لگیں۔ ”کچھ بھی ہو تمھارے علاج کی ضرورت نہیں۔ تمھاری ترکیب ہی عجیب ہو۔ میں ہرگز نہیں مان سکتی۔ جب تک میرے بدن میں جان ہے میں تمھیں دیار کے بدن کو ہاتھ نہیں لگائے دوں گی۔ اگر تمھارا علاج غلط نکلا تو اس وقت دیار کی جان چلی جائے گی۔ اور اس کے ساتھ میری جان

سدھایا نہیں جاتا۔ مگر ولایت میں ان سے
آدمیوں کے کام لئے جاتے ہیں۔ مثلاً سودا
سلف خرید لانا۔ بچوں کی نگرانی کرنا۔ بیہوشوں
کی رکھوالی۔ ڈوبتوں کو نکالنا وغیرہ وغیرہ۔
جیسا کہ تصویروں میں دکھایا گیا ہے۔ مثلاً تصویر
نمبر (۱) میں کتا سودا سلف خریدنے بازار جا
رہا ہے۔ اور دوسری تصویر میں سودے
والی ٹوکری پرے زمین پر رکھ کر خود دروازہ
کھٹکا کر مالک کو بلارہا ہے۔



بھی جائے گی۔ تم دوسروں کو مار ڈالو۔ مجھے
اس کی پرواہ نہیں۔ میرا ان سے کیا واسطہ
لیکن میں اپنے پوتے کی ضرورت حفاظت
کردوں گی۔ دیکھو خبردار میں ابھی حکیم
صاحب کو بلاتی ہوں۔ (باقی باقی)

از بید الدین صاحب چینی بی بی جامد
(دارالعلوم ندوہ لکھنؤ)

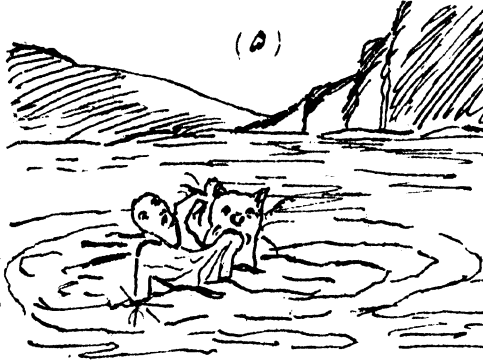
کتا

جہاں دو چار گھر ہوں وہاں ایک کتا
بھی ضرور ہوتا ہے۔

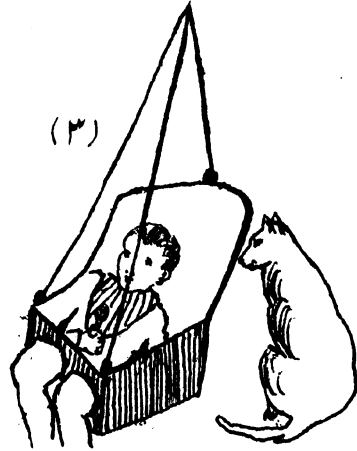
یہ ایسا سیانا جانور ہے کہ جس طرح سداؤ
اسی طرح سدھ جاتا ہے۔ امیر غریبی کے
اتار چڑھاؤ کی بالکل پرواہ نہیں کرتا۔ جس کا
ہو رہا مرتے دم تک اسی کا ہو رہا۔ اپنے
غریب مالک کے لئے ہوئے سوکھے ٹکڑے
آدھے پیٹ کھالے گا۔ مگر عمدہ لذیذ اور
پیٹ بھر کر کھانے کے لئے کبھی کسی گھر کی طرف
نگاہ نہ کرے گا۔

ہمارے ہاں ہندوستان میں تو کتوں کو

وہ کام لئے جاتے ہیں جو کوئی آدمی بھی نہیں کر سکتا۔



(۵)

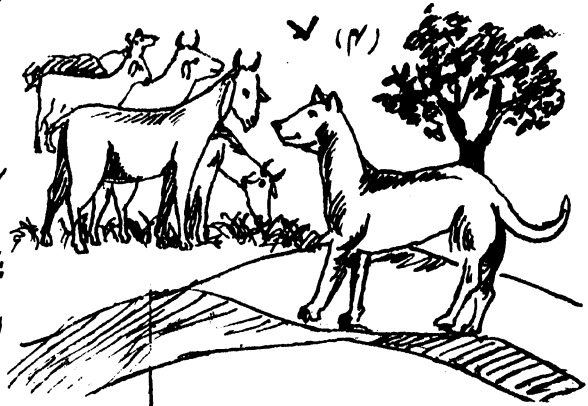


(۳)

تصویر نمبر ۳ میں کتابکیریوں کے پاس کھڑا ان کی نگہبانی کر رہا ہے۔

مثلاً پچھلے سال ۱۹۳۲ء میں گریسوں کی چھٹی میں ایک کتارن ٹن ٹن نامی جو کہ امریکہ کی ایک شہر فلیم سائیکسپنی کا ایکٹر تھا مر گیا۔ اس کی تنخواہ ماہوار ۶۰۰ پونڈ تھی۔ اس کا مالک اسی کی بدولت آج امریکہ میں لکھ بیٹیوں میں شمار ہوتا ہے اور اسی امریکہ میں بہت سی عمارتیں اور کارخانے ہیں جو بڑی کامیابی سے چل رہے ہیں +

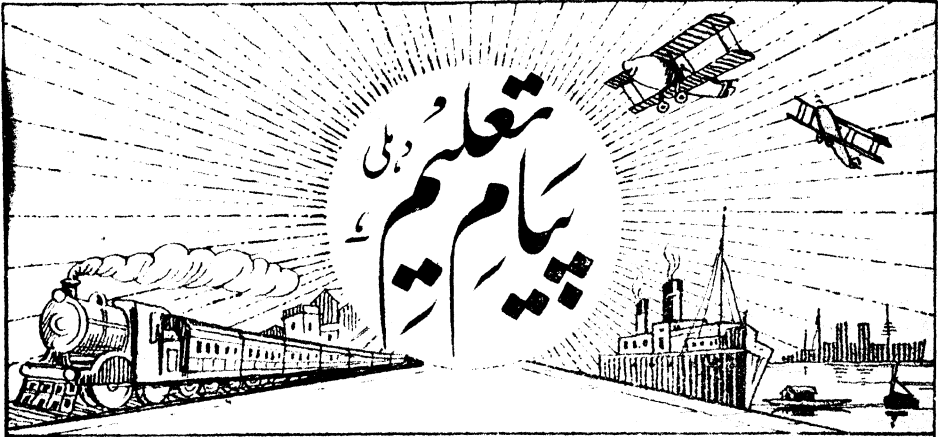
(اڈر شید الدین صاحب)



(۴)

تصویر نمبر ۴ میں کتے نے ڈوبتے بچے کو دریا سے نکالا ہے اور خود بھونک کر کسی کو بلا رہا ہے۔

غرضکہ امریکہ اور ولایت میں کتوں کو



۲۱ مئی سنہ ۳۳ ع

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ہندو روئے تعلیمی رسالہ

جلد ۱۴ نمبر ۱۰

فہرست مضامین

- | | |
|--------------------|---------------------------|
| ۱ شام | عبداللہ صاحب شرقی، ۱۵۲ |
| ۲ عجائب خانہ سمندر | سید محمد عسکری صاحب، ۱۵۴ |
| ۳ جنگل کا شیخ جلی | ابو طاہر داؤد صاحب، ۱۵۵ |
| ۴ بودے | قاضی محمد ادریس صاحب، ۱۶۱ |
| ۵ شاعر اور بادشاہ | رئیس احمد صاحب جمفری، ۱۶۳ |
| ۶ سلیٹ | عبداللطیف اعظمی، ۱۶۴ |
| ۷ شرافت | محمد آیت اللہ بیگ، ۱۶۵ |
| ۸ کٹے کی سزا | احسان اللہ خان بی ای، ۱۶۶ |
| ۹ دادی کا دل | بدرالدین چینی صاحب، ۱۶۷ |

Jamia Press

ابڈیٹر: سعید انصاری



نشانی تھکاوٹ کی دکھلا رہا ہے
 بہت ہی بڑا اس نے چکر لگایا
 عوض اس کے چاند آئے گا کام کرنے
 ہیں لینے کو شانوں پہ چڑیاں سیرا
 کہ اس شام کے بعد آئے کو ہر شب
 پلٹ کر وہ گھر آگئے اپنے اپنے
 جھگڑتی ہے گا ہک سے دوکان والی
 کوئی سیر کو، کوئی سودے کو آیا
 ملازم بھی، آقا بھی تشریف لائے
 بڑے خوب صورت بہت ہی پیارے
 کہ اک نیلے بستر میں میرے بٹے میں
 کہ جو شام سے پہلے پاگلے منزل
 انھیں اٹھنا پڑتا ہے ہر روز تڑکے
 ہوئے کھیل اور کوٹ سے بے خبر وہ

جو یوں زرد سورج نظر آ رہا ہے
 نکل کر وہ پورب سے کچھم کو آیا
 وہ دیکھو چلا ہے اب آرام کرنے
 وہ سورج کی رخصت سے پھیلا اندھیرا
 وہ ہر گھر میں جلنے لگے ہیں دے اب
 مویشی جو جنگل میں چرنے گئے تھے
 ہے بازار کی کیفیت بھی نرالی
 چراغوں سے بازار ہے جگمگایا،
 تھکے ماندے مزدور بھی گھر کو آئے
 چمکنے لگے آسمان پر ستارے
 فلک کے بچھونے پر ایسے پڑے ہیں
 مسافر ہے وہ خوش نصیب اور خوشدلی
 جو اسکول میں روز جاتے ہیں لڑکے
 سبق یاد کرتے ہیں اب بیٹھ کر وہ

حضرت مولوی محمد شفیع شاہ
 مدرسہ اسلامیہ لاہور

فراویر میں پھر ہے کھانے کو جانا
 انھیں پھر ہے سونے کو بستر پہ جانا

عجائب خانہ سمندر



خشکی میں تو خیر ایسے جانور بھی پائے جاتے ہیں جو گھاس پھوس اور درختوں کے پتوں پر اپنی گزربسر کر سکتے ہیں اور دوسرے جانوروں کے ہلاک کرنے کی فکر میں نہیں رہتے۔ مگر سمندر کے جانوروں کی تو عموماً یہ کیفیت ہے کہ ان کی زندگی رات دن لڑائی کے میدان ہی میں گذرتی ہے۔ اس کو نوچا اس کو کھسوتا، یہاں سے بھاگے، وہاں سے بھگایا ایک کا شکار کیا اور دوسرے کا شکار ہو گئے۔ غرض جو میں گھنٹے غذا کی تلاش ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ فکر کہ کوئی مجھے نہ کھا جائے۔

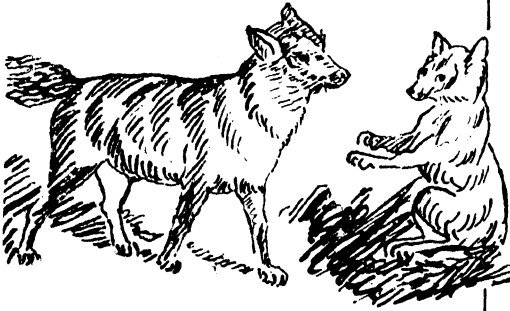
اپنے آپ کو بچا کر دوسروں کو ہلاک کرنے کی خواہش کا نام پورپ کے عقلمندوں نے اسٹرگل فار اگزیسٹینس (Struggle for Existence) رکھا ہے۔ جس کو عربی میں تَنَافُحُ لِلْبَقَا کہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں زندہ رہنے کے لئے باہم نزاع ہوتی ہے۔ یعنی جینے کے لئے غذا بھی ہو اور یہ غذا دوسروں کو مار کر میسر آئے۔ اور خود اپنے مارے نہ جانے کی کوشش بھی جاری ہے سمندر میں آپس کی نوچ کھسوٹ اس زور شور کے ساتھ جاری ہے کہ خشکی میں اسکی مثال نہیں مل سکتی۔ اگر کسی ملک میں آدم خور انسان پہنچ جائے تو وہاں کے رہنے والے یا تو اسے پکڑ کر بخیرے میں قید کر دیں گے یا مار ڈالیں گے۔ مگر سمندر کی حالت پر غور کرو کہ یہاں کی ہر ایک چھوٹی بڑی مچھلی، ہر ایک کڑا دوسری مچھلی یا دوسرے کیرے کے کھا جانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اس لئے قدرت نے ان جانوروں میں اپنی نسل کے قائم رکھنے اپنی جان بچانے اور دوسروں کو مار ڈالنے کے لئے ایسے انوکھے طریقے تجویز کئے

جنگل کا شیخ چلی

ایک ایکٹ کا ڈرامہ

افراد ڈرامہ

نوجوان بھیریا۔ چالاک لومڑی۔ غریب بھیرٹر۔
دلیر شکاری



ہیں کہ دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ان رات دن کے لڑاکو جانوروں میں سے چند کا حال تو تم پیچھے پڑھ چکے۔ اب چند چھوٹی چھیلیوں کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ دنیا میں اس وقت تک تقریباً نو ہزار قسم کی چھیلیاں معلوم ہوئی ہیں۔ اور ہر قسم میں کئی کئی وضع کی نسلیں ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ پہاڑوں میں کچھ ایسی چھیلیوں کے ڈھانچے ملتے ہیں جو آجکل کہیں نہیں ہیں۔ مگر جس وقت یہ پہاڑ پانی کے اندر تھے یہ چھیلیاں سمندری تیرا کرتی تھیں +

(از جناب سید محمد عسکری صاحب)

[ماقرن پہاڑی کے پنج میں ایک گھنا جنگل ہے اس کے پنج میں ایک پہاڑی چشمہ ہے جس کا پانی جمع ہوتے ہوئے ایک چھوٹی سی جھیل کی شکل میں بن گیا ہے۔ اس جھیل کے چاروں طرف گھاس اُگی ہوئی ہے۔ پانی گھاس اور ہوسے کے درختوں نے مل ملا کر اس مقام کو بہت دلفریب بنا دیا ہے۔ پرندے درختوں کی ڈالیوں پر چھپا رہے ہیں۔ ایک خوب صورت غریب بھیرٹر جھیل کے کنارے کھڑی ہوئی پانی پیتی جاتی ہے اور خون کے مارے مڑ مڑ

آپ کو اپنا نمبر خریداری یاد ہے! اگر یاد نہ ہو تو مہر بانی فرما کر پتے کی چٹ پر ملاحظہ فرمائیجئے۔

خط کتابت میں نمبر کے حوالے سے بڑی سہولت ہو جاتی ہے۔ ورنہ با اوقات جواب دینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ براہ کرام اسے نہ بھولئے۔

مہتمم

کر چاروں طرف دیکھتی بھی جاتی ہے]

بھیسٹر کیسا دلفریب مقام ہے۔ کاشش
میں یہیں رہ جاتی۔ تم ہے دیوتا باگ کی۔ کقدر
ٹھنڈا پانی ہو۔ یہ آزادی اور یہ لطف گڈرے کے
گلے میں کہاں۔ میں آج دادا کا نیا اور اس کے
شکار ہی کتے کھنڈا کی نظروں سے بچ کر یہاں
بھاگ تو آئی ہوں لیکن ایسا نہ ہو وہ میرے پیچھے
آتے ہوں اور اس جنت سے مجھے اس طرح گھسیٹ
کرے جائیں جس طرح کسی اسکول سے بھاگے ہوئے
چھو کرے کو اس کے ماسٹر پکڑ کر لے جائیں۔ ارے
یہ بتوں کی کھڑکھڑاہٹ کیسی [پیچھے مڑ کر دیکھتی ہو]
ہے کرشن جگوان بچانا! [بہت زور سے میسائی
ہے] ارے میرے کرموں کا پھل! میں کیوں
اپنے گلے سے نکل کر آئی [بھاگتی ہے] ایک
نوجوان بھیسٹر باگھنے جنگل میں سے نکل کر چھلانگ مارتا
ہے اور بھاگتی ہوئی بھیسٹر کی کھال میں اپنے تیز
دانت گڑو دیتا ہے۔ بھیسٹری ایک چیخ مارتی ہو
جس کو سن کر جنگل کے تمام پتے سسکیاں بھرنے
لگتے ہیں]

بھیسٹر (خون بہ رہا ہے) لے موئے ظالم

خونخوار درندے —

بھیسٹریا۔ چپ مردار۔ تو اس جگہ آئی کیوں
کیا تجھ کو نہیں معلوم تھا کہ اب ہم جوان ہو چکے ہیں
اور اپنے بچوں اور دانتوں کو خوب تیز کر چکے ہیں
[بھیسٹری کا گھلا دبا دیتا ہے] اور وہ پھڑک پھڑک
کر جان دیتی ہے] اہا (ہنستا ہے) شکار کرنا
کتنی آسان بات ہے [خون چاٹتا ہے] کتنا
میٹھا شربت ہو۔ [مری ہوئی بھیسٹری کے گرد
ناچتا ہے] آج ہمارا پہلا شکار ہے۔ مگر یہ جنت
گیدڑ کہاں مر گئے۔ جو ہماری بہادری کی
تقریب میں اگر اپنے گلے پھاڑ پھاڑ کر دوچار گیت
گاتے تو ہم آج غوڑا سا گوشت ان کو بھی دیدیتر
[بھیسٹری پر جتنے رکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے] افسوس ہو کوئی
مقابلہ کرنے والا بھی نہیں ہے۔ درندہ دوچار داؤ
پیچ کشتی کے ہوتے۔ دوچار کھروچنے بچوں کے
لگتے۔ دوچار گھاؤ دانتوں کے پڑتے تو اس
شکار کا مزہ ہو گنا ہو جاتا۔ [ڈکاڑتا ہے] ارے!
اس جنگل میں سب چوہے اور بلیاں ہی ہیں۔
کسی میں ہمت ہو تو نکلے اور آئے ہمارے سنانے
[پتیوں میں کھڑکھڑاہٹ ہوتی ہے] کون
ہے؟

[ایک چھوٹی سی لومڑی اپنی تھوٹھنی گھاس

میں سے باہر نکالے ہوئے کھڑی ہوئی ہے
 آہ۔ میاں لومڑی ہیں۔ بے ادبائی
 ذرا باہر نکل کے آ۔ خرد گوش کی طرح سے وہیں
 جھانک رہا ہے۔ ذرا ہم سے جنگ کر کے دیکھ
 ذرا ہمارا زور آزما کر دیکھ معلوم تو ہو کہ اس شکار
 کا تو حقدار ہے یا ہم۔ کیوں لڑے گا۔ بول !
 لومڑی۔ نہیں جناب میں آپ سے لڑ کر
 کہاں رہوں گی۔ کہاں آپ اور کہاں میں۔
 آپ کے پنچے، دانت اور بازو دیکھ کر میرا
 دل دھلا جاتا ہے۔

بھیرٹیا۔ (غور سے تن جاتا ہوا) اچھا چھوڑو
 جاہم نے تجھے معاف کیا۔ مگر ہاں ذرا ہمارے
 قریب تو آؤ، تم سے کچھ باتیں پوچھنا ہیں۔ ڈر
 نہیں قسم ہے اسی شکار کی ہم تمھاری دم کے
 بالوں تک کو نہ چھوئیں گے۔

[لومڑی قریب آکر بیٹھ جاتی ہے]

لومڑی۔ جی۔ فرمائیے !

بھیرٹیا۔ سچ سچ بتانا تمھاری کیا عمر ہے۔ میری
 عمر تو ایک سال کی ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ تم
 مجھ سے بڑی ہو گی ؟

لومڑی۔ ہاں حضور میں آپ سے بہت بڑی ہوں

میں پانچ برس کی ہوں۔

بھیرٹیا۔ اوہو۔ پانچ برس ! تعجب ہے کہ
 تم اتنی بڑی ہو کر بھی اپنے سامنے کے ایک پنچے
 سے ڈرتی ہو۔ دیکھو ذرا میرے ڈیل ڈول
 کی طرف نظر کرو۔ برگد کا درخت معلوم ہوتا
 ہوں یا نہیں۔ اچھا بتاؤ تو ! اس جنگل میں کوئی
 ایسا بہادر ہے جو مجھ سے لڑ سکے۔

لومڑی۔ ہاں سرکار ایک چتّی دار تیندوا
 آپ سے بڑا بھی ہے اور مضبوط بھی ہے۔ وہی لڑ
 سکتا ہے۔

بھیرٹیا۔ خیر ابھی میری عمر یہ کیا ہے۔ سال
 بھر کا لڑتا تو ہوں ہی۔ ذرا ہاتھ پاؤں بڑھاؤں
 تو تمھارے اس تیندوے کا زخرو نہ چباؤں
 تو کہنا۔ پھر اس جنگل کی بادشاہی تو ہمارے قدموں
 تلے پڑی ہو گی۔ مگر چتّی دار تیندوے سے بھی
 کوئی جانور بڑا ہے۔

لومڑی۔ جی ہاں نواب صاحب۔ کالے
 بالوں والے مہا بل ریکھ اس سے بھی بڑے ہیں۔
 بھیرٹیا۔ ارے ارے۔ ہمارے بادشاہ
 ہونے میں ابھی کسر ہے۔ تھوڑا انتظار کرنا پڑیگا۔
 بھئی جب ہم اور پھول جائیں گے تو تمھارے ریکھ

کی ہڈی پسلی کھل ڈالوں گا۔

ریچھ سے بڑا جانور تو کوئی ہو گا نہیں کیوں؟

لومڑی۔ حضرت ہے کیوں نہیں۔ سائے

بن کا چھتری سورما چیتا ابھی زندہ ہے۔ اسکی

دھارے درختوں پر کے جانور ٹپ ٹپ گر جاتے

ہیں۔

بھیریا۔ اے تو تو تم کو ڈرے دیتا ہے [ادھر

اُدھر دیکھ کر] کہیں ایسا نہ ہو وہ تمہارا سورما چیتا

ابھی نکل آئے اور میرے پنجوں سے دو چار ٹپا نچے

کھا جائے میں اس تنکے سے ابھی لڑتا نہیں چاہتا

معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس جنگل کا راج لینے کے

ہم کو بہت دن انتظار کرنا پڑے گا خیرہ تو جاؤ

آج ہی سے ڈنڈا اور بیٹیک کرنے کی مشق شروع

کرتا ہوں۔ اور جب خوب طاقتور ہو جاؤں گا

تو اس کتے کے کان پکڑ کر تمہارے سامنے ہی

انھک بیٹیک کر اؤں گا۔

[سوچ پھول پرتاؤ دیتا ہے۔] کیوں مٹی اس

اس سے بھی بڑا کوئی اور جانور ہے، یا نہیں؟

لومڑی۔ جی ہاں کنور صاحب، کیوں نہیں

ہمارا ج منک دار ہاتھی سے تو چھتری چیتے

کی بھی روح کا نہیتی ہے۔ ان کی گرج کو دھرتی

ماتا بھی ہل جاتی ہے۔ وہ اپنی ایک سونڈ

کے اٹاے سے برگد کے درخت کو جڑ سے

اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ اپنے پیروں کے دباؤ سے

بڑے بڑے سورماؤں کو مکھی کی طرح مسل

ڈالتے ہیں۔ ان کا لمبا چوڑا بھاری بھر کم ڈل

ڈول دیکھ کر آپ ضرور بے ہوش ہو جائیں گے

بھیریا۔ اے رام رام رام [آہ بھرتا ہے]

جنگل کا بادشاہ بننے کے لئے ہم کو بہت سال

لگیں گے۔ مگر میں بہت ہارنے والا جانور نہیں

ہوں۔ میں جب تمہارے ہمارا ج جیسا بڑا اور

طاقتور ہو جاؤں گا تو ان سے جنگ کروں گا

اور اپنے تیز دانتوں سے ان کی سونڈ کاٹ

کر ریزہ ریزہ کر دوں گا۔ کیا ہاتھی سے بھی کوئی

جانور بڑا اور طاقتور ہے؟

لومڑی۔ نہیں راجہ صاحب۔ ہاتھی جی کی

جنگل میں جے بولی جاتی ہے۔ مگر ایک سنگار

دغا باز۔ چھوٹا سا جانور انسان البتہ ہے جس

نے اتنے بڑے دیو کو بھی رام کر لیا ہے۔ وہ

ان کی سونڈی گردن پر بیٹھ کر آئکس چلاتا ہے اور

ہمارے ہمارا ج ایک غلام کی طرح سے اس کا

حکم مانتے ہیں +

بھڑیا۔ یہ کیسے۔ میرے اچھے چچا ذرا مجھے
سمجھاؤ تو۔

لومڑی۔ بھتیجے، اے تو بہ ہمارا جھٹا۔
یہ آپ کے اس غلام کو بھی نہیں معلوم کہ ایسا
کیوں ہے۔ بہر حال اتنا جانتا ہوں کہ یہ جانور
جس کا نام انسان ہے دیکھنے میں بہت چھوٹا
اور کمزور ہے۔ مگر بگھل، دریا، پہاڑ اور زمین
کا بادشاہ وہی ہے۔

بھڑیا۔ اہا ہا ہا (خوب ہنستا ہے) آج انسان
اتنا چھوٹا اور کمزور ہے۔ میں اس سے زیادہ
طاقتور ہوں! بس ماریا میدان [ناچتا ہے]
اس سے جا کر کہہ دو کہ وہ بہت دن تک مزے
اڑاتا رہا ہے۔ آج اس کی بادشاہت ختم ہو
جائے گی۔ میں۔ میں بھڑیٹے کا پوت اس
سے لڑوں گا۔ اور اس کو اسی کمزور بھڑی کی
طرح سے شکار کر کے دنیا بھر پر حکومت کروں گا
ہمارا جھٹکا دار ہاتھی، چھتری سورما چیتا۔

ہمالی ریچھ، اور چتائی دار تیندوے میرے سامنے
ادب سے سر جھکا دیں گے۔

اوپر ہے، ذرا مجھے بتانا تو یہ کمزور انسان
کس سوراخ میں رہتا ہے؟

لومڑی۔ اے بادشاہ سلامت اگر حضور والا
تھوڑی تحلیل فرمائیں اور اس وفادار غلام کے
ساتھ کچھ دور تک تشریف لے چلیں تو یہ کھنوار
اپنی جان پر کھیل کے بتا دیگا کہ انسان کہاں
رہتا ہے۔ لیکن اگر آپ جاں بخشی کریں تو عرض
کروں کہ بندہ بے حد ڈر پوک اور بگھڑا ہے
اگر وہ انسان میری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھے
گا تو میں وہاں سے اس طرح بھاگ آؤں گا،
جس طرح آپ کے سامنے سے کوئی بھڑی بھاگ
جائے۔

بھڑیا۔ ہو ہو [قہقہہ لگاتا ہے] اے پدے
مجھے تیری مدد کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں تو
اپنے بلی بوتے پر جا رہا ہوں۔ تیرا دل چاہے
تو تو بھاگ آنا۔

[لومڑی آگے آگے کودتی ہوئی چلتی ہے اور
بھڑیا اس کے پیچھے روانہ ہو جاتا ہے]

سین دوسرا

[ماقران کا پہاڑ گھڑا ہوا ہے۔ اس کے اوپر سے
ایک لمبی سڑک بل کھاتی ہوئی گئی ہے۔ سڑک کے
ایک طرف پہاڑ کی ادبھی دیوار ہے اور دوسری طرف

ہوا تیز تیز دوڑا چلا جا رہا اس کے چہرے سے خوف ظاہر ہو رہا ہے۔

لڑکا (گاتے ہوئے)

سارا جنگل ہر سنان اسکیں درخت ہیں گنجان
سوچ ڈوب چلا افسوس، رستہ بن چلا انجان
بھیرٹیا۔ (لوٹری سے) دیکھو یہ دوپیر کا جانور
آ رہا ہے۔ واہ واہ کیا جانور ہے۔ واللہ ارے
بغیر دم اور پر کا لٹنڈ منڈ پرندہ ہے۔ مگر کتنا اچھا
ہے۔ کیا یہی انسان ہے؟

لوٹری اُسے جناب آپ کیوں بے تاب
ہوئے جاتے ہیں۔ یہ انسان کہاں سے آیا
یہ انسان کا بچہ البتہ ہے۔ تھوڑی دیر اور انتظار
کر لیجئے۔

[سڑک پر سے ایک ٹھاکر ٹھاکری نظر آتا ہے۔ جو
کمر سے ایک لمبا چہرا باندھے اور کندھے
پر بندوق رکھے ہوئے ہے۔ جسم بھی اس کا لمبا چوڑا
ہے]

لوٹری۔ (راہتہ سے بھیرٹئے کے کان میں)
لیجئے ہمارا جہ بہادر انسان آگیا۔ آپ کو جنگل کی
بادشاہت اس آسانی سے ملی جاتی ہے۔ خدا
حافظ۔ بندہ نے اپنا کام ختم کر دیا۔ میں ایسے

بہت گھٹنا جنگل ہے۔ شام ہو چکی ہے۔ چاروں طرف
اندھیرا چھا رہا ہے۔ سڑک کے نزدیک درختوں کے
ایک جھنڈ میں بھیرٹیا اور لوٹری دبکے ہوئے بیٹھے ہیں
بھیرٹیا بار بار اپنی گردن اٹھا کر سڑک کی طرف دیکھتا ہے
بھیرٹیا۔ میں انتظار کرتے کرتے تھک گیا۔
کیا ہمارے آنے کی اس چالاک انسان کو خبر ہو
گئی۔ آخر وہ اب تک کیوں نہیں نکلا۔ وہ
ٹھاکر کرنے کس وقت نکلتا ہے۔

لوٹری۔ بس یہی وقت ہے اس کے نکلنے
کا۔ ذرا خاموش بیٹھے رہئے۔
بھیرٹیا۔ اہا ہا ہا! وہ ہو ہو ہو۔ آج ہم جنگل
کے بادشاہ کہلائیں گے۔

[سڑک پر سے ایک بڑھا آدمی جسکی کمر جھکی
ہوئی ہے لکڑی ٹپکتا ہوا آ رہا ہے]
بھیرٹیا۔ ارے ذرا دیکھنا یہ تین ٹانگوں
والا جانور پھدکتا ہوا آ رہا ہے۔ کیا یہی انسان ہے؟
لوٹری۔ جی نہیں حضور یہ کسی زمانے میں
انسان تھا مگر اب چولا بدل چکا ہے۔ تھوڑا اور
انتظار کیجئے۔

[بڑھے آدمی کے جانے کے بعد ایک
چھوٹا لڑکا نظر آتا ہے جو کتابوں کے گیلے کو گھماتا

ویسی ہی ضروری ہے۔

پودوں کی زندگی کے لئے بھی یہی چیزیں ضروری ہیں۔ پودوں کی خوراک کا بہت بڑا حصہ زمین میں موجود ہے، جو پانی کے اندر ملا رہتا ہے۔

زمین کے اندر جو پانی موجود ہے، اس میں پودوں کی غذا کے اکثر حصے شامل ہوتے ہیں۔ جو بارش کے پانی کے ساتھ ساتھ زمین کے اندر چلے جاتے ہیں۔ یہ غذا پودا ایک عجیب ذریعے سے حاصل کرتا ہے یعنی اس کی جڑ زمین کے اندر جال کی طرح پھیل جاتی ہے۔ یہ جال کے حصے جو بال سے زیادہ باریک ہوتے ہیں، مٹی کے ان ذروں میں جا کر پیوست ہو جاتے ہیں جن کے اندر وہ پانی، جس میں پودے کی غذا شامل ہوتی ہے، ملا رہتا ہے۔ اس جال کو انگریزی میں روٹ ہیئرز (Root Hairs) کہتے ہیں۔ یہ جڑیں مٹی کے ذروں سے اس پانی کو چوس لیتی ہیں۔ یہ جذب کیا ہوا پانی دوسری چیزوں کے ساتھ ان نالیوں کے ذریعے، جو پودے کے قریب قریب

موقعے سے کوسوں بھاگتا ہوں۔ لیجئے میں تو یہ چلا۔

(علیحدہ) یہ بھیڑے کا بچہ بہت دیر سے بلہلا رہا تھا۔ میں اس کی لاش پر دروازے سے فاختہ پڑھوں گی۔ [بھاگ کر جھاڑی میں چھپ جاتی ہے] (باقی آئندہ)

(از سید ابوطاہر داؤد بی ایسی)

پودے اور ان کی خوراک



اگر تم سے پوچھا جائے کہ انسان کی زندگی کے واسطے کون کون سی چیزیں ضروری ہیں تو تم جواب دو گے کہ ہوا، پانی اور خوراک ساتھ ہی یہ بھی کہو گے کہ سورج کی روشنی بھی

ہر حصے میں ہوتی ہیں، اور ہر چڑھ جاتا ہے اس طریقے سے یہ غذا پودے کے قریب قریب ہر حصے میں پہنچ جاتی ہے۔ اس غذا میں پودے کی خوراک کے اکثر وہ حصے جن کو انگریزی میں پروٹینس اور اسٹارچ (Proteins and Starch) کہتے ہیں، شامل ہوتے ہیں۔ باقی جزو مثلاً آکسیجن وغیرہ پودے ہوائے حاصل کرتے ہیں۔ بعض وقت پودے ضرورت سے زیادہ پانی اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں، تو اس صورت میں زیادہ مقدار جتنی بھی ہوتی ہو وہ پتوں کی سطح پر سے بھاپ کی شکل میں اُڑ جاتی ہے۔ پودوں کے جسم میں بہت سی کوٹھڑیاں ہوتی ہیں۔ جو اس حاصل کی ہوئی غذا کو اپنے اندر ہضم کر لیتی ہیں۔ اور پودوں کی بڑھوار کا باعث ہوتی ہیں۔ جو کوٹھڑیاں کہ عمر میں زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ وہ پودے کے باہر کے حصے ہر جس کو تنہا کہتے ہیں، آب جاتی ہیں۔ اور پودے کے لئے مینوٹیل کا سبب ہوتی ہیں۔ ان کی جگہ نئی کوٹھڑیاں لے لیتی ہیں۔ اور اس طریقہ پر پودا بڑھتا ہے۔ بہار

کے موسم میں بالیدگی (بڑھوار) پر مڑا اثر ہوتا ہے، جو کہکی اور موسم میں نہیں ہوتا۔ سورج کی روشنی اور گرمی بھی پودے کے لئے اشد ضروری ہے۔ اگر کوئی پودا ایسی جگہ رکھا جائے جہاں اس کی خوراک کے لئے ہر چیز افزا کے ساتھ موجود ہو، مگر وہاں سورج کی روشنی

اور گرمی نہ پہنچ سکے۔ بلکہ بالکل اندھیرا ہو، تو اس صورت میں پودا مرتا تو نہیں، لیکن بڑھ بھی نہیں سکتا۔ اور سبز رنگ کے پودوں میں جو چیز خوب صورتی کی ہو وہ بالکل نہیں پائی جاتی۔ ایسے پودے کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ اگر اس پودے کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں رکھا جائے تو یہ رفتہ رفتہ سبزی مائل ہو جائے گا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ روشنی اور گرمی پودے کے لئے اشد ضروری ہیں۔ بہر حال پودوں کی زندگی کا دار مدار انہیں چیزوں پر ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا۔

از تاضی محمد ادریس صاحب

شاعر اور بادشاہ

ابودلّامہ ایک بہت دلچسپ شاعر تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کوئی دلچسپ بات کہی۔ اس پر ابو العباس سفاح (جو خاندان بنی عباس کا سب سے پہلا بادشاہ تھا) نے خوش ہو کر کہا: ”مانگ کیا مانگتا ہے“

ابودلّامہ نے جواب دیا: ”مجھے ایک کتا چاہیے کہ جب میں چاہوں اسے لے کر شکار کو چل کھڑا ہو اگر وہ سفاح کو تعجب ہو کہ اس نے اتنی چھوٹی چیز مانگی۔ مگر اس نے حکم دیا کہ اسے ایک کتا دیدیا جائے۔ جب کتا مل گیا تو ابودلّامہ نے کہا: ”حضور! ایک سواری بھی تو مل جائے جس پر چڑھ کر میں شکار کو جایا کروں“ وہ بھی سفاح نے دلوادی، پھر ابودلّامہ نے کہا: ”حضور! ایک غلام بھی“ جو کہنے کی رکھوالی کیا کہے“ غلام بھی مل گیا۔ ابودلّامہ نے پھر کہا: ”حضور! اگر ایک لونڈی مل جائے تو بہت اچھا ہو۔ جو میرے شکار کو درست کیا کرے اور اسے صاف کر کے مجھے اچھی طرح کھلایا کرے“۔ خلیفہ نے اس کا بھی

حکم دیدیا، پھر ابودلّامہ بولا: ”حضور! یہ غلام رہیں گے کہاں؟“ ان کے لئے ایک مکان بھی تو چاہئے“ خلیفہ نے حکم دیا کہ ایک مکان بھی ابودلّامہ کو دیا جائے۔ یہ حکم سن کر اس نے کہا: ”کیوں حضور! اگر کوئی جاگیر نہ ہوئی تو آپ کے غلام کہاں رہیں گے کیا؟“ سفاح نے کہا: ”ہم نے تمہیں دو سو جریب زمین دی۔ تنو جریب کھیتی کے قابل اور سو جریب بھجور۔ ابودلّامہ نے کہا: ”حضور! اپنے قبیلہ کی پانچ سو جریب بھجور زمین چھوڑ کے تو میں یہاں آیا ہوں۔ اور آپ پھر مجھے وہی دے رہے ہیں“ اس پر سفاح ہنس پڑا اور اس نے حکم دیا کہ ابودلّامہ کو پوری زمین کھیتی کے قابل دی جائے *

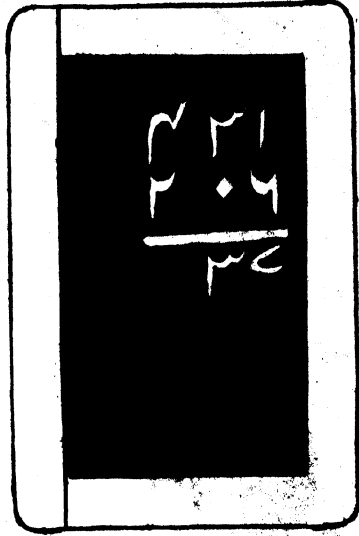
از ریس احمد حفیظی

کے لکھنے میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو اس کے کنارے تیز ہوتے ہیں۔ ہاتھ میں چبھ جائیں گے۔

سلیٹ دراصل ایک خاص قسم کے پتھر یا چٹان کا ٹکڑا ہے۔ جس کو سلیٹ کہتے ہیں۔ یہ پتھر اکثر ملکوں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن زیادہ تر ویلز (Wales) اور کارنوال (Cornwall) سے آتا ہے۔ ان ملکوں میں سلیٹ کی بہت سی کانیں ہیں۔ اور وہاں پر ہمیشہ ہزاروں آدمی کام کیا کرتے ہیں۔

سلیٹ اور دوسرے عام پتھروں میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ سلیٹ کی تہ پتلی، چکنی اور برابر ہوتی ہے۔ کئی ایک تہیں آپس میں ملی ہوتی جنہیں بعد کو تھوڑے سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ سلیٹ محض لکھنے ہی کے لئے نہیں استعمال کی جاتی۔ اس کو اور بہت سے کاموں میں لاتے ہیں۔ بعض جگہ سے مکان کی چھت میں لگاتے ہیں۔ سلیٹ کے ٹکڑوں کے کناروں کو میں سودا خان کر دیتے ہیں اور ان ٹکڑوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر لکڑی کی کانٹوں سے جوڑ دیتے ہیں۔ پنج میں دونوں طرف کے

سلیٹ



اسکول کے اکثر لڑکے سلیٹ پر سوال وغیرہ جوڑتے ہیں۔ اور اس سے بہت سا کام لیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی بہت سے اس سے بالکل بے خبر ہیں کہ وہ کس چیز سے بنتی ہے؟ آج ہم اس کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

سلیٹ کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک سلیٹ اور دوسرے فریم۔ فریم لکڑی کے چار ٹکڑوں سے جوڑ کر بنایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے سلیٹ بہت محفوظ رہتی ہے۔ اور سوال وغیرہ

بدلو پیدا ہو جاتی ہے۔ گندی سلیٹ استعمال کرنے سے اکثر لڑکے بیمار بھی پڑ جاتے ہیں۔
(از عبد اللطیف غلطی بتعلم نہ وہ مکہ بنو)

شرافت



ایک کسان ایک گاؤں میں رہ کر اپنی روزی بڑی مشکل سے کما تا تھا۔ ایک دن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک ریچھ اس کی جھونپڑی میں گھس آیا۔ پہلے تو کسان ڈر ا کہ کہیں مجھے مار نہ ڈالے۔ مگر کسان کا خیال غلط نکلا۔ ریچھ کوئی

ٹکڑے اور ان کے اوپر کپیرے رکھ دیتے ہیں۔ کیونکہ بیچ میں دراز رہ جاتی ہے اگر اس پر کپیرے نہ رکھیں تو بارش کے وقت پانی ٹپکنے لگے گا۔ اس کو شاید ”برینٹرا“ کہتے ہیں۔ اگر تم پرانی اور نئی سلیٹ کو دیکھو تو تم کو ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ملیگا۔ پرانی سلیٹ پر نسبت نئی کے بہت چکنی اور گہرے رنگ کی نظر آئے گی۔ جانتے ہو ایسا کیوں ہے۔ اس لئے کہ پرانی سلیٹ روز مرہ کے لکھنے سے گھس جاتی ہے۔ تم اسپر ہنسل سے روز لکھتے ہو اور اس کو اسپر کپڑے یا ہاتھ سے روزانہ صاف کرتے ہو۔ جس کی وجہ سے صاف اور چکنی ہو جاتی ہے۔ بعض لڑکے نہایت گندے طریقے سے اپنی سلیٹوں کو دھو تے ہیں۔ ہمیشہ تراشیخ سے صاف کرنا چاہئے۔ اور اگر اس کے علاوہ دوسری چیزوں سے صاف کیا جائے گا۔ تو بہت جلد چلنی ہو جائے گی اور بعض وقت اس سے

۱۵ اسپنج ایکٹس مٹم کے چھوٹے چھوٹے ڈکیرڈوں کا گھر ہے۔ یہ سمندر میں بہتے ہیں۔ یہ کیرے شہد کی مکھی کی طرح گردہ کے گردہ ایک جگہ بہتے ہیں۔ غوطے خوران کو دریا سے نکال کر لاتے ہیں۔ اس وقت یہ استعمال کرنے لائق نہیں ہوتے لیکن انھیں صاف اور درست کرنے کے بعد شمال کے قبال بنایا جاتا ہے۔ بعض اسپنج سخت اور کھردرے ہوتے ہیں۔ وہ ہمارے کام کے نہیں ہوتے۔ ۲۱ راج نمبر ۲ کے پیام تعلیم میں تم کو اس کے متعلق کافی بتلایا جا چکا ہے +

کئے کی سزا

ایک سوداگر کا ایک بد معاش پر کچھ قرض تھا۔ سوداگر کو روپیہ کی ضرورت ہوئی تو اس نے اس بد معاش سے اپنا قرض مانگا بد معاش نے روپیہ دینے سے انکار کیا۔ سوداگر نے ریٹ لکادی اور بد معاش قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

کچھ دنوں کے بعد جب قاضی کے سامنے پیش ہوئے کا دن آیا تو بد معاش نے ایک وکیل سے کہا کہ تم میری طرف سے بولو۔ اگر میں جھوٹ گیا تو تمہیں دس روپے دوں گا۔ وکیل راضی ہو گیا۔ چنانچہ قاضی کے سامنے پیش ہونے سے پہلے وکیل نے بد معاش سے کہا کہ قاضی تم سے جو کچھ بھی پوچھے تو تم جواب میں کہنا، ”میں میں میں“ بد معاش نے کہا۔ بہت اچھا۔ الغرض سوداگر بد معاش اور وکیل تینوں قاضی کے سامنے پیش کئے گئے۔ قاضی نے بد معاش سے پوچھا، تم پر اس سوداگر کا کچھ قرض ہے؟ بد معاش نے کہا

تحقیق پہنچانے کے بجائے کسان کو اپنا پاؤں اٹھا اٹھا کر دکھانے لگا۔ کسان سمجھ گیا کہ کوئی کاناچہہ گیا ہے۔ فوراً اٹھا اور دیکھا کہ ایک سوئی چبھی ہوئی تھی۔ کسان نے سوئی نکال دی اور ریچھ چلا گیا۔

دوسرے دن ریچھ پھر آیا۔ اور کسان کا کرتا بکھر کر باہر جانے کے لئے اشارہ کرنے لگا۔ جب کسان باہر گیا دیکھا کہ ایک درخت کی بہت بڑی شاخ پڑی تھی۔ پھر ریچھ چلا گیا۔

کسان مہنا اور سمجھا ریچھ مجھے بھی پتے کھانے والی مخلوق سمجھاؤ۔ اور رات کو میں نے جو اس کے پاؤں میں سے سوئی نکالی تھی، اس کا بدلہ دیا ہے۔

جب صبح کو اٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس شلخ کے چاروں طرف شہد لپٹا ہوا تھا۔
از حدیث اللہ یگ۔ جماعت چام

دادی کا دل

دولن دین کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیسا کرے۔ ایک طرف بوڑھی ماں، دوسری طرف بچہ۔ ماں غضبناک ہے۔ بچہ مریض ہے اور دونوں کی جانیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی (وابستہ)۔ ماں کی بات ماننا ہے تو بچہ کے صانع ہونے کا خطرہ ہے۔ اور علاج کرتا ہے تو ماں غصہ سے اپنی جان تک دے دینے کا ارادہ کئے بیٹھی ہے۔ مارے پریشانی اور خوف کے بے چارے کا خون خشک ہوا جا رہا تھا۔ اور سرکھ کی طرح گھوم رہا تھا۔ وہ اس پریشانی میں تھا کہ کیا فیصلہ کرے۔ اس نے کن انکھیوں سے بیوی کی طرف دیکھا کہ وہ کیا مشورہ دیتی ہے؟ مگر وہ بھی اپنی جگہ بت بنی کھڑی تھی۔ اور آنکھوں سے شبنم (اوس) کے قطرہوں کی طرح آنسو ٹپک رہے تھے۔ اس کو بھی اپنے بچہ کی محبت ہے۔ دیا اس کے جگر کا ٹکڑا ہے۔ مگر کیا کرے دادی درمیان میں اڑی ہوئی

”میں میں میں“ قاضی نے پھر غصے ہو کر پوچھا: تمہیں اس سوداگر نے کچھ روپیہ بطور قرض دیا ہے؟“

بد معاش نے پھر کہا: ”میں میں میں“ وکیل نے کہا: ”اجی صاحب یہ تو دیوانہ ہے۔ اس کو بولنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے میرے خیال میں یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ کہ اس ہوشیار سوداگر نے اتنی بے وقوفی سے کام لے کر اس دیوانے کو روپیہ بطور قرض دیا ہو۔“

قاضی نے کہا سمجھ ہے۔ چنانچہ بد معاش رہا ہو گیا۔

چھوٹنے کے بعد وکیل نے بد معاش سے کہا: ”مجھے اپنی اجرت دیدو“

بد معاش نے جواب میں کہا: ”میں میں میں“ وکیل نے ہزار بار گوشمالی کی۔ مگر بد معاش سوائے ”میں میں میں“ کے اور کچھ کہتا ہی نہیں تھا۔ چنانچہ وکیل کو غالی ہاتھ جانا پڑا اور اپنے کئے کی سزا پائی +

(از احسان اللہ خاں بی لے جاسید)

ہے۔ کچھ کرنے نہیں دیتی۔ غرض میاں بوی دونوں نہایت پریشان اور بے چین ہیں۔

بورہی دادی نے کسی کے غصے کا خیال کیا، نہ کسی کی پریشانی کا۔ وہ خود ہی بچے کی تیار داری کرنے لگی۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں خوب اچھی طرح بند کر لیں۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کواڑوں میں جو سولخ تھے ان میں کپڑا ٹھونس دیا۔ تاکہ تازہ ہوا کا کہیں سے گزرنے ہو۔ اور بچہ کو اس ہوا سے تکلیف نہ پہنچے۔ بچہ کو ایک نرم بستر پر لٹا دیا اور کئی کئی لحاف اور ڈھادے اور خود اس کے پاس بیٹھی رہی۔

مریض کو کھانسی بھی تھی۔ دادی کا خیال تھا کہ بچہ کا گلا اور پیچھے ٹھیک کام نہیں کر رہے ہیں۔ اس لئے وہ کھجور کی گٹھلیاں اور اخروٹ کے چھلکے مریض کی چار پانی کے پاس جلائے لگی۔ کیونکہ اس نے سنا تھا کہ ان کی خوشبو سے گلا اور پیچھے صاف ہو جاتے ہیں۔ اور کھانسی بالکل کا فور ہو جاتی ہو۔ ان گٹھلیوں اور چھلکوں کے جلائے سے

تمام کمرے میں دھواں بھر گیا۔ دادی کا سانس ٹھکنے لگا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر دادی نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اگر اس سے دیار کی کھانسی دور ہو جائے تو یہ تکلیف ہی اس کے لئے آرام ہے۔

ڈاکٹر دولن دین اور اس کی بیوی دونوں یہ زہر یلا دھواں دیکھ کر چپ نہ رہ سکے۔ مجبور ہو کر دیار کی دادی سے شکایت کی۔ آپ خوا خواہ تکلیف کر رہی ہیں۔ اس سے بچہ کی کھانسی دور نہیں ہوگی۔ بلکہ اور بڑے گی۔ آپ کھڑکیاں اور کواڑ کھول دیجئے تاکہ تازہ ہوا اندر آئے اور زہر مٹی ہوا کمرے سے نکلے۔ دادی کو بھلا ان باتوں کی کہاں تاب تھی، جھلا کر کہنے لگیں تم غلط کہتے ہو۔ یہ علاج ہم برسوں سے آزما رہے ہیں۔ ہمیشہ فائدہ دیتا ہے۔ دھوئیں کے اثر سے خراب مواد باہر نکل آئیگا میں پوچھتی ہوں آخر تمہیں کیوں اس قدر فکر ہے اپنے پوتے کی جان کی میں ذمہ دار ہوں۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں اور اس کی جان اپنی جان سمجھتی ہوں۔ (باقی باقی)

از جناب بدرالدین صاحب چینی بی اے جامعہ



۷ جون سنہ ۳۳ ع

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

جلد ۱۴ نمبر ۱۱

فہرست مضامین

- | | |
|--------------------|--------------------------|
| ۱ ورزش | عبد اللہ صاحب شرقی ۱۶۹ |
| ۲ عجائب خانہ سمندر | سید محمد عسکری صاحب ۱۷۰ |
| ۳ جنگل کا شیخ جلی | ابو طاہر داؤد صاحب ۱۷۲ |
| ۴ عمر بن عبدالعزیز | مولانا محمد حسین صاحب |
| ۵ عرب | معوی ۱۷۴ |
| ۶ آرزو | چندر شکر صاحب فوجدارہ ۱۷ |
| ۷ میرا خواب | ابراہیم عادی صاحب ۱۷۶ |
| ۸ نندر | شیر محمد صاحب کچراٹی ۱۷۷ |
| ۹ بمبئی ٹک | جواد صاحب ۱۷۸ |
| ۱۰ لطیفے | نشر الدین صاحب ۱۷۹ |
| ۱۱ دو دو بائیں | امتیاز حسین صاحب ۱۸۱ |
| ۱۲ دادی کا دل | ایشیٹر ۱۸۶ |
| ۱۳ حافظہ کی کمزوری | بدر الدین چینی صاحب ۱۸۲ |
| | شیر محمد صاحب ۱۸۴ |

Jamia Press.

ایڈیٹر: سعید انصاری

بچوں کا قاعدہ

بچوں کو اردو کا قاعدہ پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱۔ کام کس طرح شروع کریں کہ بچہ ابتدائی کام ماحول سے مطابق دیکھے۔

۲۔ حروف علت کا استعمال۔

۳۔ ہم آواز حروف کی مشکلات۔

۴۔ کام کو آخر تک دلچسپ رکھنا

جناب مولوی عبدالغفار صاحب نگران تعلیمی مرکز نمبر ۱، آج چھ سال سے صرف اول جماعت کے بچوں کو اردو پڑھا رہے ہیں، اور بچوں کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، موصوف نے مندرجہ بالا دشواریوں کو سامنے رکھتے ہوئے بچوں کا قاعدہ لکھا ہے، یہ قاعدہ جامعہ ملیہ میں دو سال کے تجربے کے بعد اب شائع ہوا ہے۔

رہنمائے قاعدہ

بچوں کا قاعدہ پڑھانے میں جس ترتیب سے کام لیا گیا ہے، وہ اس میں درج ہے، ایک معلم جسے بچوں کی تعلیم سے دلچسپی ہو رہنمائے قاعدہ کا مطالعہ اسے بہت مفید ہوگا

فیت - ۲

مکتبہ جامعہ دہلی

ورزش

علم کے ساتھ ہے ورزش کی ضرورت تم کو
فائدہ کچھ بھی نہیں دے گی یہ محنت تم کو
فائدہ ہوگا تو صحت کی بدولت تم کو
سختیاں جھیلو، اگر چاہئے صحت تم کو
نہ ستائے گی کبھی کوئی بھی علت تم کو
چاہئے اس لئے ورزش کو بھی رغبت تم کو
اور بخشے گی یہی قوت و طاقت تم کو

لڑکھو کرتے ہیں اب ہم ایک نصیحت تم کو
قوتیں جسم کی برباد نہ ہوں پڑھنے میں
اپنی صحت کا بھی ہر دم تمہیں لازم ہو خیال
آؤ میدان میں ڈنڈ پیلو، ہلاؤ گمدر
تم لگاتار جو کرتے رہو ورزش ہر روز
پوری ہوتی نہیں تسلیم جو کمزوری ہو
موٹا مانہ یہی ورزش تو بنائے گی تمہیں !

زور کیوں بازوؤں میں تم نہیں پیدا کرتے
چاہئے تشرقی اگر سمیت و جرات تم کو

از محمد عبداللہ شرقی۔



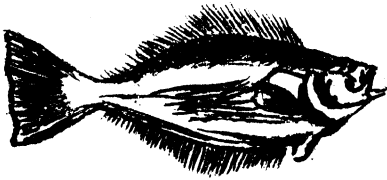
مچھلیاں بڑی تعداد میں ہلاک نہ کر دی جائیں
تو دریا میں ان کے رہنے کے لئے جگہ بھی نہ
ہے۔ ہیرنگ ایک مچھلی ہوتی ہے جو عمر بھر



میں پچیس ہزار انڈے دیتی ہے۔ لمب فیش
ایک دوسری قسم ہے جو ایک لاکھ پچیس ہزار



انڈے دیتی ہے۔ ہیلی بٹ پنٹیس لاکھ اور



کاڈنٹس نوے لاکھ انڈے دیتی ہے۔ اور



عجائب و سمندر

کوڑوں کی تعداد میں انڈے دینے والی

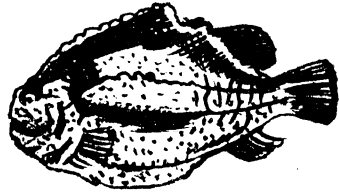
مچھلیاں

سمندر میں مچھلیوں کی جتنی قسمیں پائی
جاتی ہیں ان کی پوری تفصیل تو دنیا کو اب تک
معلوم ہی نہیں ہے۔ مگر پھر بھی جو کچھ معلوم
ہو سکا وہ اتنا ہے کہ اگر پوری طرح پڑھنا اور
سمجھنا چاہو تو پتھاری عمر کے کم سے کم پانچ
چھ سال اسی میں صرف ہو جائیں گے۔ یہاں
ہم چند مخصوص مچھلیوں کا حال بیان کرتے
ہیں۔ اور اس سے تمہیں اندازہ ہو جائیگا
کہ قدرت نے ان جانوروں کی بناوٹ میں
ان تین چیزوں کا کہاں تک خیال رکھا ہے
جن پر ان کی زندگی کا دار و مدار ہے۔ یعنی
(۱) پلنے کو بچانا، (۲) اپنی نسل کا قائم رکھنا
(۳) دوسروں کا شکار کرنا، نسل قائم رکھنے
کی تو یہ کیفیت ہے کہ ان جانوروں میں ایک
ایک کی اولاد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ اگر یہ

یہ مچھلی دشمن کو جب کبھی قریب آنا دیکھتی ہے تو ریتی یا پتھر پر خاموش پڑ جاتی ہے۔ اور بالکل پہچانی نہیں جاتی۔ تم نے تیلیوں کو دیکھا ہو پھولوں اور پتوں کے رنگوں سے وہ اتنی ملتی جلتی ہیں کہ جب وہ کسی درخت یا پودے پر بیٹھتی ہیں تو پہچانی نہیں جاسکتیں۔ پلیس فش کی بالکل یہی کیفیت ہے، اسے فلیٹ فش بھی کہتے ہیں۔ یعنی چٹی مچھلی، یہ دوسری مچھلیوں کی طرح تیری نہیں ہے۔ بلکہ پانی میں اس طرح تیرتی ہے جیسے پتہ سطح آب پر بہتا ہے، یہ نہایت پتلی اور بہت چوڑی مچھلی ہوتی ہے۔ دور سے دیکھیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے کاغذ کی مچھلی کتر کے پانی میں ڈال دی ہے۔ اس کے جسم کے ریتی یا پتھر سے ہم رنگ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ بڑے جانوروں کا بہت کم شکار ہوتی ہے۔ البتہ اس کے انڈے لاکھوں کی تعداد میں دوسرے جانور کھا لیتے ہیں۔ انڈے میں سے جب یہ مچھلی پہلے پہل نکلتی ہے تو معمولی مچھلیوں کی سی ہوتی ہے۔ اور انہیں کے مانند پانی میں پیٹ کے بل تیرتی ہے۔ اس کے سر کے

لنگ کے انڈوں کی تعداد کو سن کر تو تم حیران ہی ہو جاؤ گے۔ وہ زندگی بھر میں پندرہ کروڑ انڈے دیتی ہے۔ اگر ان سب انڈوں سے مچھلیاں نکلا کریں اور کوئی ان کو کھایا نہ کرے تو سمندر ان سے چند ہی دنوں میں اٹ جاے اپنی جان کی حفاظت کے لئے قدرت نے جن کے جسم کو زبردست ہڈیوں سے ڈھانچوں کا ٹٹوں اور دانتوں سے مضبوط نہیں کیا۔ انھیں دشمن سے بچنے کے لئے عجیب عجیب تدبیریں سکھادیں۔

پلیس مچھلی - پلیس فش *Place Fish*



بے چارمی نہ تیز تیر سکتی ہے کہ بھاگ کر جان بچا سکے۔ نہ اس کے جسم میں کوئی ایسی چیز دی گئی ہے کہ لڑنے کے وقت دوسرے پر حملہ کر سکے پھر بچنے کی کیا تدبیر۔ اس کا انتظام قدرت سے یہ ہوا کہ اس کے جسم کے اوپر کا حصہ بالکل اس پتھر یا ریت کا سا کر دیا گیا جہاں کہ یہ رہتی ہو۔

جنگل کا شیخ چلی

[بھیریا کھڑا ہو کر انگڑائی لیتا ہے۔ منہ کھول کر دانت باہر نکالتا ہے اور جھاڑی میں سے چھلانگ مار کر شکاری کے سامنے جا کر ڈٹ جاتا ہے۔ شکاری اس اچانک حملہ سے گھبرا جاتا ہے مگر اپنے حواس ٹھیک کر کے چہرے کو نکال لیتا ہے۔]

بھیریا (اپنی زبان میں) آج مجھ سے لڑا! دیکھیں اس جنگل کی بادشاہت کا تو حقدار ہی یا ہم۔

[شکاری پر حملہ کرتا ہے۔ شکاری اس کے وار کو خالی دیکر ایک طرف کو ہٹ جاتا ہے اور چہرے کی ایک ضرب سے بیڑے کے لنگے پیر کو کاٹ ڈالتا ہے] بھیریا۔ آہ بے مار ڈالا نہیں بھائی بادشا مجھے نہیں چاہئے [بھاگتا ہے]

شکاری (خود سے) بے جاتا کہاں کہ بجنت رہ تو جا۔ تجھے چھپ کر حملہ کرنے کا مزہ بتاتا ہوں۔

افس ہے میرے پاس گولی کا تو س نہیں ہے۔ مگر خیر چہروں ہی سے کام چلے گا

دونوں طرف دو آنکھیں ہوتی ہیں، انڈے سے باہر آتے ہی دوسری مچھلیوں کے بچوں کی طرح سطح سمندر کے قریب تیرتی نہیں رہتی بلکہ فوراً آتے ہیں بیٹھ جاتی ہے اور وہاں اس کے جسم میں عجیب و غریب تبدیلیاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ اس کا جسم آہستہ آہستہ پتلا اور چپٹا ہونے لگتا ہے اور پیٹ کے بل تیرنے کی بجائے کروٹ، یعنی ایک بازو اوپر کر کے تیرنا شروع کرتی ہے۔ جسم کے اوپری حصہ پر آس پاس کے پتھر یا ریت کا سارنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ پچلی آنکھ غائب ہو جاتی اور اوپر کی آنکھ سے ملی ہوئی ایک اور آنکھ پیدا ہو جاتی ہے دشمنوں سے محفوظ رہنے کے علاوہ زمین کے ہمرنگ ہو جانے میں دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اور مچھلیاں بے خبری میں تیرتی ہوئی اس تک پہنچ جاتی ہیں اور یہ آسانی سے ان کا شکار کر لیتی ہے *

از جناب سید محمد عسکری صاحب



کا چوم نکالا ہے میں دور سے دیکھ رہا تھا۔
بھیریا (گرتے ہوئے) آہ
آہ کیا کروں۔

لو مڑی اسے
ساتھ میں ہی
مگر کوئی پرواہ نہیں
جل جاتی تو کوئی
کب
بھیریا
ارے بھائی

کیسا دربار اور کسی بادشاہت یہاں تو جان کے لالے
پڑ گئے تھے۔

لو مڑی۔ کیوں کیوں! کچھ کہئے تو۔
بھیریا۔ اف۔ انسان واقعی بادشاہت
کے قابل ہے۔ ادم میں نے اس کی گردن
پر حملہ کیا اور اُدھر وہ ایک طرف کو بھاگا۔ میں
سمجھا کہ ڈر گیا مگر اس نے اپنی مکر میں سے ایک
سفید چمکتی ہوئی ہڈی نکالی اور میری طرف چھپٹا
میں بھی بڑھا۔ آہ رے۔ وہ ہڈی ایسی تیز تھی کہ
میرا اگلا پیر اس طرح کٹ گیا جس طرح کوئی تنکا
لوٹ جائے۔ میں درد کے مارے وہاں سے
بھاگا۔ گمردہ وہیں کھڑے کھڑے اتنے زور

[بندوق میں کارتوس بھرتا ہے۔ بھاگتے ہوئے
بھیرے پر نشانہ لیتا ہے اور گھوڑا دبا دیتا ہے]۔ وہ
مارا۔ (مہنتا ہے)
بھیریا۔ (بھاگتے ہوئے) ارے جل گیا،
جل گیا [چچ مارتا ہے] ارے میرے باپ۔

سین تیسرا

[پہلے سین کا مقام۔ جھیل کے کنارے لو مڑی
کھڑی ہوئی کنڑیاں بدل بدل کر چاروں طرف دیکھ
رہی ہے۔ سامنے سے بھیریا بدحواس ہو کر تین ٹانگوں
پر اچکتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ سارے جسم سے خون کے
قطرے برس رہے ہیں۔]

لو مڑی (جھک کر ادب بجالاتی ہے) تشریف
لائے سرکار والا تبار حضور پر نور سلطان بھیریا
شاہ صاحب بہادر۔ مبارک ہو آپ کو
اس جنگل کی بادشاہت۔ واہ، واہ ماشا اللہ
کہیں آپ کے دانتوں اور پنجوں کو نظر بد نہ
لگے۔ کس زور شور سے آپ نے اس انسان

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی دیانت

اسلام کے مشہور خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ عنہ) ایک روز رات کو بیٹھے حکومت کا کچھ کام کر رہے تھے۔ اور چراغ کی روشنی میں رعایا کے متعلق کچھ ضروری کاغذ ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اتنے میں آپ کا ایک غلام حاضر ہوا۔ اور کچھ آپ کے اپنے کاموں کے متعلق باتیں کرنے لگا۔ جن کا تعلق حکومت سے نہ تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا: پہلے چراغ گل کر دو پھر مجھ سے باتیں کرنا کیونکہ اس چراغ میں جو تیل جل رہا ہے، یہ ہمارے دامنوں کا نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے بیت المال کا ہے۔ میرے اپنے کاموں کے وقت اس کا صرف کرنا جائز نہیں۔ بلکہ صرف مسلمانوں ہی کے کاموں میں ہونا چاہیے۔ جب غلام باتیں کر کے جانے لگا۔ تو چراغ پھر روشن کر دیا گیا۔ اور حضرت عمر اپنی سلطنت

سے گر جا کہ میرے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ اس کے ساتھ اس نے آسمان کی بجلی میرے اوپر گر گئی کہ سارا جسم جل اٹھا۔ اب بھی سارا بدن پھلپھلی رہا۔ دیکھتے ہوئے انگاروں نے کھال کے اندر سوراخ ڈال دیئے ہیں ہائے کیا کروں!

لومڑی (تقبہ لگاتے ہوئے) اے او دیوانے بھیڑیے کے بچے۔ اب بیٹھ کر اپنی تقدیر کو رو۔ بڑا آیا وہاں سو بادشاہ بننے والا۔

بھیڑیا۔ بھائی صاحب!

لومڑی۔ کیسا بھائی۔ دیکھ میں تیری شکار کی ہوئی بھیڑی کے گوشت پر ہاتھ صفا کرتا ہوں۔ اب تو نے دیکھا کہ اس شکار کا کون حق دار ہے؟

بھیڑیا۔ میرے پیارے دوست کھا جاؤ۔ مزے سے کھاؤ۔ آج مجھے بھوک بھی نہیں ہے۔ اور دوسرے میں اس بھیڑی کو کھانا بھی نہیں چاہتا جس نے مجھے بد عادی تھی۔

[لومڑی ہنس ہنس کر بھیڑی کا گوشت کھاتی ہو اور بھیریٹا بیٹا ہوا منہ دیکھتا ہے] ڈراپ۔

انسید ابو طاہر داؤد۔ بنی ایس سی۔ لک۔

کے کام میں مشغول ہو گئے۔

اللہ اللہ! یہ تھی اسلامی بادشاہوں کی
احتیاط اور دیانت جو رات اور دن بغیر کسی معاوضہ
اور اجرت کے مسلمانوں کے کاموں میں لگے رہتے
تھے۔ مگر ویسے کا تیل بھی اپنے کام میں لانا جائز
نہیں سمجھتے تھے۔ واقعی ایماندار سی اور انت
اسی کا نام ہے۔ انھیں خوبیوں سے تو اسلام
نے اس قدر ترقی کی ہے۔

مولانا محمد حسین نجوی لکھنؤی

نظر آتی ہیں۔ یہ پہاڑیاں عرب ہی کے ملک
میں ہیں۔ ملک عرب ہمارے ملک سے
بہت گرم ہے۔ وہاں پانی بہت کم ہوتا ہے
نہ تو رات میں کبھی اوس پڑتی ہے اور نہ آسمان
میں بادل دکھائی دیتے ہیں۔ کھیتی بھی یہاں
بہت کم ہوتی ہے۔ ریت کے سینکڑوں میل
لبے چوڑے میدان ہیں۔ انھیں ریگستان
کہتے ہیں۔ کہیں کہیں چھوٹے سوٹے پانی
کے جھرنے پائے جاتے ہیں۔ اور انھیں
کے آس پاس تھوڑی بہت ہریالی بھی مل
جاتی ہے۔ ایسی ہی جگہوں پر عرب لوگ
رہتے ہیں۔ کچھ لوگ خیموں

میں بھی رہتے ہیں ان کی
کوئی مقرر جگہ قیام کی نہیں
ایک جگہ سے دوسری جگہ
گھومتے پھرتے ہیں۔ اور یہی
ہی میں ان کی ساری عمر ختم ہو جاتی ہے۔
ان لوگوں کے خیمے بھی عجیب قسم کے ہوتے
ہیں۔ اونٹ کے بالوں کی رسی ہوتی ہے
اور کمبوں کی جگہ کھجور کے تنے لٹکائے
جانتے ہیں۔ بکری۔ گھوڑے۔ ٹٹو اور اونٹ

عرب



عرب کا ملک ایشیا کے پچھم میں ہو
بہسی سے یورپ کو جاتے وقت جہاز جب
عدن سے روانہ ہو کر سویز نہر کی طرف جاتا ہو
تو داہنی طرف چھوٹی چھوٹی لال لال پہاڑیاں

ساتھ مل کر تمام جائیں گے
کھیل کی ٹیم اک بنائیں گے
فیلڈ میں ایک ساتھ اتریں گے
شام تک خوب خوب کھیلیں گے
وقت مغرب قریب آئے گا۔

کھیل کر گھر ہر ایک جائے گا
سب وضو کر کے گھر آئیں گے
اور مسجد میں ساتھ جائیں گے
باجماعت نماز پڑھ لیں گے
ہاتھ بہر و عا کھٹائیں گے

لے زمین آسمان کے مالک
یعنی سارے جہان کے مالک
چاند سورج بنا دیا تو نے
ہم کو اتنا بڑا کیا تو نے

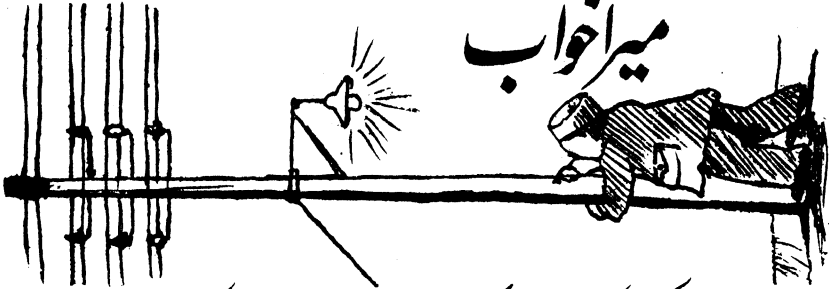
کیسے تارے یہ جگہ گاتے ہیں
کھیلنے کے لئے بلاتے ہیں
بھٹکے بھی چاند سا بنا دے تو
سارے عالم کو جگہ گائے تو
ابراہیم عادی

یہاں کے پالتو جانور ہیں۔ انھیں اہل عرب
پالتے ہیں۔ اونٹ ان کے بڑے کام کا جانور
ہے۔ ریتلے میدانوں میں جہاں کوئی سواری
کام نہیں دیتی، وہاں اونٹ بڑے مزے
میں کام کرتا ہے۔ اس کے پیر ریت میں نہیں
دھنستے۔ پیٹ میں اُس کے ایک ایسی پتیلی
ہوتی ہے جس میں وہ کئی دن کے پینے کے
لائق پانی بھریا ہے۔ پھر ہفتوں پانی کی اُسے
ضرورت ہی نہیں رہتی۔ (باقی باقی)
از جناب بابو چندر شیکھر فوجدار سیکر

آرزو

مدرسے جب میں جاؤں گا اماں
شام کو پڑھ کے آؤں گا اماں
آپ کو پھر سبق سناؤں گا
لکھ کے پچھلا سبق دکھاؤں گا
جھک کے پھر آپ کو کروں گا سلام
اور پھر لوں گا آپ سے انعام
عصر کی پھر نماز میں پڑھ سکے
اور سب دوستوں کو خود بیکر

میرا خواب



میرے سامنے ایک پھل بیچنے والے کی دوکان تھی۔ اس دوکان پر میری نگاہ خاص طور سے پڑ رہی تھی۔ آم۔ کیلے۔ ناشپاتی۔ نارنگیاں اور کئی قسم کے اور پھل نہایت قریب سے سجے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ کھلونوں کی ایک دوکان تھی، ان کے ساتھ بہت سی اور دوکانیں بھی تھیں جن پر کپڑا اور پہنے کی دوسری چیزیں بکتی تھیں تمام دوکانوں پر خوب بھڑ بھار تھی۔ ایک امیر بھلوں کی دکان پر جا کر جو چاہے خرید سکتا ہوا اور اس سے لطف حاصل کر سکتا ہو۔ لیکن مجھ، جیسا غریب آدمی جس کے پاس ایک پانی تک نہ ہو اور جس کے سر پر گھر کے چار آدمیوں کا بوجھ ہو، ہلا وہ ان بھلوں کو کب خرید سکتا ہے لیکن میں وہاں کھبے سے لگا کھڑا تھا اور دنیا کو دیکھ کر بچوں کی طرح مزے لے رہا تھا۔

میری نگاہ اچانک ایک چمڑے کے ٹوے پر پڑی

میں بجلی کے کھمبے کے سہارے کھڑا تھا جو اس کو نے میں گڑا تھا۔ جہاں شہر کی تین سڑکیں آکر ملتی تھیں۔ میں بڑی دھچکی سے اپنے آس پاس شہر کی رونق کو دیکھ رہا تھا۔ ایک طالب علم کے لئے اس طرح بیکار پھرنا اور کھڑے ہو کر بازاروں کا نظارہ کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اس کے پاس اتنا وقت کہاں۔ مگر میرا باپ مرچکا تھا اس لئے میں مجبور تھا کہ اسکول چھوڑ دوں اور تمام دن گلیوں اور بازاروں میں گھومتا پھروں اور کام کر کے اپنے کنبے کو پالوں۔ تمام دن پھرنے کے بعد میں تھک کر دم لینے کے لئے لمبے کے کھمبے کے سہارے کھڑا تھا اور بازار نہیں دوطرفہ کانٹوں پر گاکھوں کی چل پہل دیکھنے میں محو تھا۔ سڑکوں پر گاڑیاں اور موٹر ٹرین کثرت سے گزر رہی تھیں جس کی وجہ سے سڑک پر آنا جانا مشکل ہو رہا تھا

اس کا مالک نہیں ہو سکتا۔ یہ کسی گاہک کا مال تھا جو وہاں کچھ خیر خریدنے آیا ہوگا اور یہ اس کی جیب سے گر گیا ہوگا اس لئے میں نے بٹوے کو دوکاندار کے حوالے کرنا مناسب نہ سمجھا

میں نے دوبارہ بٹوے کو کھول کر اس میں جو کاغذ تھا۔ ان کو دیکھا مجھے ایک خط ملا جو بٹوے کے مالک کے نام تھا اس سے مجھ کو اس کا پورا پتہ مل گیا۔ (باقی) از جناب شیر محمد اختر گجراتی۔

بندروں کی بیوقوفی

ایک کھجوروں کے باغ میں بہت سے بندر رہتے تھے اور کسی کسی کھجور میں بیوں نے بھی اپنا گھول لٹکا رکھا تھا۔ جاڑوں میں ایک دن بڑے زور کی جھڑکی لگی اور ٹھنڈی ہوا سائیں سائیں چلنے لگی ایسی ٹھنڈ ہوئی کہ دانت سے دانت بجنے لگے بندروں نے دن تو سہلے سہلے گزاردیا دانت کی ٹھنڈ برداشت نہ ہو سکی۔ غول کا غول ایک دوسرے سے چٹا ہوا پڑا تھا۔ اتنے میں ایک بٹ بیجا جے جگنو بھی کہتے ہیں تا ہوا نظر آیا۔ بندر سمجھے کہ آگ کی چنگاری ہے جگنو بچے ترکر

جو ایک مکان کی دیوار کے نیچے پڑا تھا۔ دیوار کے سامنے گندی نالی تھی اور اس پر لکڑی کے تختے کی چھت ڈالی گئی تھی۔ جو زمیں سے کافی اونچی تھی ایک بچہ اس کے نیچے سے گذر کر دوسری طرف دیوار کے پاس پہنچ سکتا تھا۔ میں کبھی کو چھوڑ نالی کی طرف روانہ ہوا۔ اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کہ شاید کوئی دیکھتا نہ ہو جب مجھے کوئی آدمی اس طرف آتا دکھائی نہ دیا تو فوراً تختوں کے نیچے سے بھاگٹھا لایا اور اسے اپنے پٹے پرانے کوٹ کی جیب میں چھپایا پاس ہی ایک چھوٹی سی گلی تھی اس میں داخل ہوا ایک بار بھر ادھر ادھر دیکھ کر میں نے اطمینان کر لیا کہ مجھے کوئی دیکھ نہیں رہا۔ میں نے بٹو ا کھولا۔ اس میں تین روپے نقد تھے اور چند چھپے ہوئے کاغذ جو شاید کسی بینک کے متعلق تھے۔ یہ رقم ہمارے تین چار دن کے گزارے کے لئے کافی تھی۔ لیکن اسکول میں میں پڑھایا جاتا تھا کہ جب تمہیں کوئی چیز گری ہوئی ملے تو تم سب سے پہلے اس کے مالک کی تلاش کرو۔ اگر وہ نہ مل سکے تو پھر اسے غریبوں میں تقسیم کر دو۔ میرے دل پر اس سبق کا بڑا اثر تھا۔ اس لئے میں نے اس کے مالک کو ڈھونڈنے کا ارادہ کر لیا۔ جس دکان کے پاس یہ بٹو پڑا تھا۔ وہ دکاندار

تھے اور اب چاہتے ہیں کہ اپنے اس مختصرے سفر کا حال
 پیام بھائیوں کے سامنے پیش کریں ریل کے سفر سے
 جو تجربے ہوتے ہیں ان سے تو قریب قریب اب سبھی
 واقف ہو گئے ہیں ہم نے اکثر سنا تھا کہ ریل پر بڑی
 دھچکی کے سامان ہوتے ہیں غفلت قسم کے مسافروں
 سے سابقہ پڑتا ہے اگر ان سے پہلے کی جان پہچان
 نہ بھی ہو تو وقت کے وقت دوستی اور ملاقات ہو جاتی
 رہے۔ کیوں کہ سب تو ایک ہی کمرے میں ہوتے ہیں اگر چیکے
 بیٹھے رہیں تو وقت کیسے کٹے اگر کوئی پرانا ملاقاتی مل
 جائے تو پھر کیا پوچھنا اس سے بڑھ کر رفیق ایسے وقت
 میں کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

میرا یہ پہلا سفر تھا اس سے پہلے کبھی ریل پر کہیں
 جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا ہاں سفر کے اکثر قصے سنیے
 اور پڑھے تھے، میں نے لوگوں سے یہ بھی سنا تھا کہ پہلی
 مرتبہ ریل میں بیٹھنے والے کو چکر آتا ہے مگر مجھے تو کچھ معلوم
 نہیں ہوا۔ میں کسی چیز کی تکلیف نہیں تھی بے حد
 آرام سے سفر کر رہے تھے۔

کوئی بائچ بجے ہم گاڑی میں سوار
 ہوئے اور چھ بجے تک سوئچ کی
 روشنی میں ننگل کی سیر کرتے رہے
 اس کے بعد اندھیرے نے ڈیرا جمانا شروع کیا لیکن

بیٹھا ہی چاہتا تھا کہ ایک بندرے آدوہ چا۔ کچھ بندروں
 نے گھاس بھوس اکٹھا کر لیا اور اس ادھ موئے جگنو کو ہاں
 کوڑے میں رکھ کر پھونکیں مارنے لگے کہ آگ جلتے تو سنکین
 ایک بیاہ تاشہ دیکھ رہا تھا اس کی جوشامت آئی وہ
 ان بندروں کو جا کر بچھانے لگا کہ جس کو تم آگ کی
 چنگا رسی مجھے ہوئے ہو یہ آگ کا تنگکا نہیں یہ تو ایک
 چھوٹا سا چکدار کبڑا ہے دیکھو میں نے اپنے گھونسلے
 میں اسی کی روشنی کر رکھی ہے اگر یہ آگ ہوتی تو میرا
 پھونس کا گھونسلہ کبھی کا جل جلا کر اکھ ہو گیا ہوتا۔ اور تم
 تو اتنے بیوقوف ہو کہ بھگے ہوئے کوڑے میں جگنو رکھ کر
 پھونکیں مار رہے ہو اگر آگ کی چنگا رسی بھی ہوتی تو بھی
 اس میں آگ نہ لگتی۔

بندر اپنا مطلب پورا نہ ہونے سے کھیلنے تو
 ہو ہی رہے تھے۔ ایک نے لبک کر جگنو کو پکڑا اور
 اس کے پر فوج کھوٹ کر پھینک دے۔

چوہا

صرف یہی تک



پچھلے دمبر کے آخری منہ میں ہم یہی کی سیر کو گئے

تھوڑی ہی دیر بعد چاند نے اپنا پیارا کھٹکھٹا دکھایا اور ہلکی ہلکی روشنی تمام میں پھیل گئی۔ ہم نے اس خوش گوار چاندنی کا خوب لطف اٹھایا اتنے میں گاڑی کی اور معلوم ہوا کہ وقار آباد کا اسٹیشن آگیا ہیں افسوس ہوا کہ اتنی دیر کے لئے ہم اس لطف سے محروم کر دئے گئے۔ آخر آدھ گھنٹے بعد گاڑی روانہ ہوئی اب ہیں اور بھی خوشی ہوئی کیونکہ ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ رات کے ساڑھے دس بجے گاڑی واڈی کے اسٹیشن پر ٹھہرے گی اور وہیں کھانا کھانا ہو گا گویا پورے دو گھنٹے ہمارے لئے خالی تھے ہم نے اس عرصہ میں خوب جی بھر کے سیر تماشے کے فرے لئے دو دو کی ایسی جائزہ اور سنسان جنگل سوائے ریل کی سیٹی اور گاڑی کی جھپکا جھپک کے کسی قسم کا شور و غل نہیں تھا ایک طرف آسمان سے باتیں کرنے والے پہاڑ دوسری طرف ہزاروں کیا لاکھوں فٹ گہرے کھڈ اور غار گویا بیل پہاڑ کے ایسے دامن سے گزر رہی تھی جس کی دوسری طرف زمین ہی نہیں تھی بعض وقت بے چوڑے میدان خوب صورت اور خوش نما باغ سرسبز کھیت کچھیر بنا گھر کچھ جھونپڑیاں کبھی گھاس کے ڈھیر بالگھاس سے بھر پور میدان کبھی خشک اور کبھی سرسبز بعض وقت خوش نما کباریاں کبھی ایسے مقامات سے گزرتے

جہاں چند جھونپڑیوں کی روشنی سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ لوگ کچھ کھا پی رہے ہیں برخلاف اس کے ایسے میدان بھی دکھائی دئے جہاں دن کے وقت بھی پرندہ پر نہیں مارتا ہو گا کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ میدان نہیں بڑے بڑے دریا ہیں کیوں کہ چاندنی نے ان کا رنگ بدل دیا تھا یہ جیسے یہ دو گھنٹے چٹکی بجانے میں ختم ہو گئے ہم اس سیر تماشے میں ایسے فرق ہوئے کہ وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔ اب گاڑی واڈی اسٹیشن پر رکی بھوک روروں کی لگی تھی اس لئے کھانا کھا گیا یہاں سے گاڑی ایک گھنٹہ کے سخت انتظار کے بعد روانہ ہوئی مگر اب طبیعت میں کچھ تبدیلی معلوم ہو رہی تھی یعنی منید نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا لیکن ہم نے اپنی طبیعت پر زور دیا اور کچھ دیر کے لئے کامیاب بھی ہوئے لیکن کب تک؟ آخر یہی بتا معلوم ہوا کہ آرام کیا جائے لیکن طبیعت بے چین ضرور تھی اور جی چاہتا تھا کہ کچھ دیر اور سیر کا لطف اٹھائے اس حصے میں ایک اسٹیشن پر گاڑی رکی ہم پھر اٹھ کر بیٹھ گئے اور ارادہ کر لیا کہ اب ہمیں سوئیں گئے مگر جناب جو فنی ریل نے فراموش نہیں شروع کئے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی کہ منید اماں نے ہمیں بھر آ دلو چا جھونکوں پر جھونکے آنے لگے غنیمت ہوا کہ اس

لطیف

ایک بخیل اتفاقاً کشتی سے نیچے گر پڑا اور ڈوبنے لگا جب ملاح نے بچانا چاہا تو بخیل نے جلا کر کما بھیٹی ٹھیرو مجھ سے بچانے کا معاوضہ تو زیادہ نہیں مانگو گے

محشر ٹیٹ۔ (موسیٰ خانہ کے منشی سے) تم کون ہو؟
منشی۔ (گھبراہٹ سے) حضور منشی خانہ کا موسیٰ

ایک جلاہا دوسرے سے۔ کیوں بھیی منار الہ کا کچھ انگریزی بھی پڑھتا ہے؟
دوسرا جلاہا۔ کیوں نہیں صاحب نشانیاں بھی اچھی ہیں۔

پہلا جلاہا۔ کیا نشانیاں ہیں؟
دوسرا جلاہا۔ جناب کھڑے ہو کر پنجاب کرتا ہے اور بات بات پر دم بھول (دوسیم فول) دم بھول کہتا ہے۔

اتباز حسین قانر نباری

طرح اونگھتے ہوئے کسی نے ہیں دیکھا نہیں ورنہ بڑی خفت اور شرمندگی اٹھانا پڑتی مجبور ہو کر لستر پر لیٹ گئے اور تھوڑی دیر میں بے خبر ہو گئے۔ صبح چھ بجے گاڑی پونا کے اسٹیشن پر رکی تو ہم اٹھائے جگئے ابھی سوچ رہیں نکلتا تھا اس وقت اسٹیشن پر لوگوں کی چل پھل سے خاص لطف آ رہا تھا ہم نے بھی اس چل پھل میں حصہ لیا اور تھوڑی دیر ٹھل کر اپنے ڈبے میں آگئے اور گاڑی پھر روانہ ہوئی، اب صبح کا سہانا وقت ہے اور وہی جنگل کی سیر کچھ عجیب سماں تھا اس لطف کا اندازہ کچھ وہی بھائی کر سکتے ہیں جنہوں نے جو دم ریل میں سفر کیا ہو مگر اب جیسے جیسے دھوپ تیز ہونی جاتی تھی اس منظر کی دلچسپی میں بھی کمی ہو رہی تھی اور سچ پوچھئے تو اب ہیں بیٹی کی سیر کی لگی تھی اس جنگل میں کیا دل لگتا۔ آٹھ بجتے بجتے ہم بیٹی کی سرحد میں داخل ہو گئے ہر ایک اسٹیشن الیا معلوم ہوتا تھا کہ ہیں خوش آمدید کہہ رہا ہے آخر دس بجے گاڑی بھی پہنچ گئی اور یہ دلچسپ سفر ختم ہو گیا۔
بیٹی میں ہم نے کیا کیا دیکھا وہ ہم پر ایم تھا
کو پھر بھی بتائیں گے۔

محمد بشیر الدین

دود باتیں

کسی پچھلے پرچہ میں ہم اپنے لائق مضمون نگار جناب سید مسعود علی صاحب میرٹھی کے ناما جناب محمد عبد المجید خاں صاحب انسپٹر پولیس ورٹس میرٹھ کی بیماری کی خبر دے چکے ہیں اب ہمیں جناب مسعود صاحب کے ایک خط سے یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ ۲۵ مارچ کو ان کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے ہمیشہ سادہ وضع میں رہتے تھے۔ غریبوں کی خدمت اور ضرورت مندوں کی مدد ان کا دن رات کا مشغلہ تھا۔

ہمیں اس صدمہ میں جناب مسعود صاحب اور دوسرے عزیزوں سے دلی ہمدردی جزا اور پیام بھائیوں سے درخواست ہے کہ مرحوم کی مغفرت کے لئے دعا کریں۔

۱۴ مارچ کے جمعے کے کل نوحہ ہمارے پاس پہنچے ہیں ان میں سے کل چھ حضرات یعنی (۱) ضابطہ ممتاز رضا خاں صاحب علی گڑھ (۲) محمد صادق علی قریشی حیدر آباد (۳) محمد محمود تنوگ (بلوچستان) (۴) سلطان الزماں زبیری مارہرو (۵) محمد یونس

کلکتہ (۶) محسن علی خاں بڑوت دیرٹھ کے حل صحیح ہیں۔ قرعہ اندازی میں محمد محمود درجہ ششم تنوگ کا نام نکلا ہے اس لئے ایک اچھی کتاب 'اچھی باتیں' ہم ان کے پاس بھیجتے ہیں۔

حل۔ جمعے کا حل یہ ہے کہ وہ "انسان" اس رٹکے کی ماں تھی۔

دادی کا دل

دادی نے کھجور کی گٹھلیاں اور اخروٹ کے چھلکے ایک مٹھی اور بھر کر انگلیٹھی میں ڈال دئے۔ دھواں بھی بڑی تیزی سے انگلیٹھی میں سے اٹھ کر کمرے میں پھیلنے لگا۔ پہلے ہی کیا کم تھا۔ اب تو اس کی وجہ سے کمرہ میں اندھیرا چھا گیا کوئی بیہ صاف نہیں دکھائی دیتی تھی۔ دادی کا دم گھٹنے لگا آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے۔ دیار کی کھائی بھی بڑھ گئی۔ گلا بھی صاف نہیں ہوا بلکہ اور تکلیف زیادہ ہو گئی اب معلوم ہوتا تھا کہ گلے میں کوئی چیز اٹکی ہوئی ہے۔

حکیم کو بتیں جب گھر میں آئے تو بوڑھی دادی نے بچہ کو دکھایا اور شروع سے آخر تک سارا قصہ بیٹے کی مخالفت اور اپنے علاج کا سنایا حکیم صاحب نے دھوئیں والے علاج اور دادی کی تیار داری کو بہت پسند کیا۔ بوڑھی دادی کا دل ہاتھوں بڑھ گیا اور انھیں یقین ہو گیا کہ ان کا تجربہ بالکل ٹھیک تھا۔

ڈاکٹر دومن وین اور ان کی بیوی نے جب دیکھا کہ دادی کو ان کی مدد کی ضرورت نہیں او یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دونوں حکیم کے سنانے ماں کی گالیاں سنیں تو اپنے دفتر میں چلے آئے۔ صرف کبھی کبھی جا کر دیکھ آتے ہیں اس

کے علاوہ وہ کبھی کیا سکتے ہیں۔ کیوں کہ انھیں کسی بات میں بھی دخل دینے کی بالکل اجازت نہیں ہے۔ وہ دیار کا زرد چہرہ اور بری حالت دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتے ہیں ان کے دماغ میں مختلف خیال چکر لگا رہے ہیں اور ان کے دل کی بے چینی برابر بڑھ رہی ہے ان کا دل ملامت کر رہا ہے کہ کیوں ہم نے ڈاکٹری سیکھ لی اگر ہم آج ڈاکٹر نہ ہوتے تو کاہے کو اتنی بے چینی ہوتی اور کیوں حکیم صاحب پر اس قدر بے اعتمادی کرتے۔ ہم ڈاکٹر ہیں دوسروں کا علاج کرتے ہیں مگر اپنے بچے کے لئے بالکل بے کار ثابت ہوئے دیا ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے۔ مگر ہمارے بس میں نہیں۔

کیا آپ کو اپنا نمبر خریداری یاد ہے؟

اگر یاد نہ ہو۔ تو مہربانی فرما کر پتے کی چٹ پر ملاحظہ فرمائیے۔ خط

کتابت میں نمبر کے حوالہ سے سہولت ہو جاتی ہے۔ ورنہ بسا اوقات

جواب دینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ براہ کرم اسے نہ بھولئے۔

پیام بھائیو! ایک ہی دائرے سے الوادرنیک نہ دے۔ (احسان اللہ پٹا وری بی اے جامعہ) مہتمم

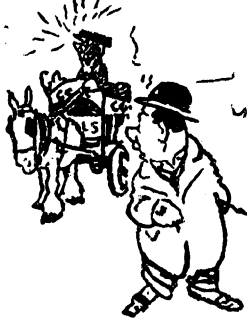
حافظہ کی کمزوری



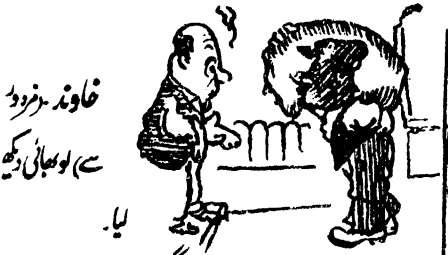
بیوی: میں کیا کروں۔ کوئلے گھر میں نہیں تھے۔ تم نے ان کے لئے آرڈر دے دیا ہوتا۔



خاوند: اس قدر سردی ہے۔ اور تم نے ابھی تک لنگ بھی نہیں جلانی۔



خاوند: میرا اس میں کیا تصور ہر تم نے ہی گھر واپس آتے ہوئے راہ میں کوئلے کا ایک ٹھکانا دیکھ کر بیوی کو کھپڑا جھٹ ایک دکان پر پہنچے اور ڈیڑھ من توکل روک دیا تھا۔ دیکھ کر بیوی کا کھنسا یاد آگیا۔ کوئلوں کا آرڈر دے دیا۔



خاوند: مزدور (سے) پوچھائی دیکھ لیا۔



کوئلے کے گھر پہنچے اور بیوی کو خوشخبری دی کہ کوئلے آ رہا ہوں بیوی میں منتہا انتظار کرتے تھک گئی تھی اس لئے میں نے ایک من کوئلہ منگوا لیا۔

مزدور: تو کیا حرج ہر آپ دوسری انگیٹھی میں یہ کوئلے جلا جائے۔



۲۱ جون سنہ ۳۳ ع

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ہندو روزہ تعلیمی رسالہ

جلد ۱۴ نمبر ۱۲

فہرست مضامین

- | | |
|--------------------|----------------------------|
| ۱ صبح کی آمد | ۱۸۵ عبداللہ صاحب شرقی |
| ۲ عجائب خانہ سمندر | ۱۸۶ سید محمد عسکری صاحب |
| ۳ امام سلفی | ۱۸۷ محمد حسین صاحب جوی |
| ۴ عرب | ۱۸۸ چندر شیکھر صاحب |
| ۵ ایک بہادر لڑکا | ۱۸۹ محمد احمد صاحب سبزواری |
| ۶ دعا (نظم) | ۱۸۹ ابراہیم عمادی صاحب |
| ۷ صبح اٹھنا | ۱۹۰ مسعود حسن صاحب |
| ۸ شہر لندن | ۱۹۱ سید نصیر احمد صاحب |
| ۹ میرا خواب | ۱۹۳ شیر محمد صاحب کجرائی |
| ۱۰ علی گڑھ سے آکرہ | ۱۹۵ معین الدین احمد صاحب |
| ۱۱ آنکھیں نعمت ہیں | ۱۹۸ شیر محمد صاحب |
| ۱۲ سادہ الا | ۱۹۹ انیس جہاں صاحبہ |
| ۱۳ برائی کا نتیجہ | ۲۰۰ جید اللہ صاحب |

Jamia Press

ایڈیٹر: سعید انصاری

بچوں کا قاعدہ

بچوں کو اردو کا قاعدہ پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱۔ کام کس طرح شروع کریں کہ بچہ ابتدائی کام ماحول سے مطابق دیکھے۔

۲۔ حروف علت کا استعمال۔

۳۔ ہم آواز حروف کی مشکلات۔

۴۔ کام کو آخر تک دلچسپ رکھنا

جناب مولوی عبدالغفار صاحب نگران تعلیمی مرکز نمبر ۱، آج چھ سال سے صرف اول جماعت کے بچوں کو اردو پڑھا رہے ہیں، ادر بچوں کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، موصوف نے مندرجہ بالا دشواریوں کو سامنے رکھتے ہوئے بچوں کا قاعدہ لکھا ہے، یہ قاعدہ جامعہ ملیہ میں دو سال کے تجربے کے بعد اب شائع ہوا ہے۔

رہنمائے قاعدہ

بچوں کا قاعدہ پڑھانے میں جس ترتیب سے کام لیا گیا ہے، وہ اس میں درج ہے، ایک معلم جسے بچوں کی تعلیم سے دلچسپی ہو رہنمائے قاعدہ کا مطالعہ اسے بہت مفید ہوگا

قیمت - ۲/-

مکتبہ جامعہ دہلی

صبح کی آمد

یہ اب ہو نیا لے ہیں غائب بچائے
 دیا گھر کا اب ٹٹمانے لگا ہے
 اُجالا دکھانے کو ہر اپنی صُوت
 اُجالا لگا پھیلنے سب جہاں پر
 بھاتے ہیں کانوں کو یہ خوب گانے
 لچک ٹہنیوں کا وہ کھانا ہوا ہے
 بہارا اپنی سب کو دکھانے لگی ہے
 لگے کھلنے اب پھول سائے کے سائے
 وہ کتنا ہی اچھا۔ وہ کیسی ہے پیاری

لگے کانپنے ننھے ننھے ستارے
 ادھر چاند بھی مونہ چھپانے لگا ہے
 اندھیرا زمانے سے ہوتا ہی رخصت
 وہ سورج نکل آیا۔ لو آسمان پر
 درختوں پہ چڑیوں کے میٹھے ترانے
 وہ پتوں کا تالی بجانا ہوا ہے
 کلی باغ میں مسکرانے لگی ہے
 ہوئے سب کے سب مست خوشبو کے مارے
 ذرا دیکھو سبزہ ذرا دیکھو کیاری

تماشا ہی کیا خوب یہ صبح دم کا
 ادھر چاند ڈوبا ادھر مہر چمکا

عجائبِ خانہِ سمند

شیشے کی سی شفاف مچھلی۔ بعض مچھلیاں ایسی ہیں کہ وہ دشمن سے بچنے کے لیے شیشے کی طرح شفاف ہو جاتی ہیں، یعنی انھیں دیکھنے کے عوض دشمن ان کے آ رہا دوسری چیزوں کو اس طرح دیکھنے لگتا ہے جیسے تم شیشے اور کالنج میں سے دوسری طرف کی چیزیں دیکھ سکتے ہو اور اگر یہ شیشہ بہت صاف ہو تو بعض وقت یہ بھی محسوس کرتے کہ آیا تمہاری آنکھ اور اس دوسری چیز کے درمیان شیشہ حائل ہو یا نہیں۔ بالکل ہی کیفیت اس مچھلی کے جسم کی ہو جاتی ہے،

ہیران

ملکوں کے سمندروں سے گرم ملکوں کے سمندروں کی طرف اس پابندی سے آتی جاتی اور ٹھہرنے کے مقامات پر یہی بروقت پہنچتی ہے کہ اس کے ٹھکار کرنے والے ماہی گیر اسکی آمکا ایسا انتظار کرتے ہیں جیسے تم لوگ بل کا جیسے جیسے اس مچھلی کو انسانوں کے ہاتھ تکلیف پہنچتی جاتی ہے ویسے ویسے یہ اپنے اپنے جانے کے راستے بدلتی جاتی ہے۔ چنانچہ یورپ میں سمندر کے کناروں پر بڑے بڑے شہر ان رستوں میں قائم ہو گئے تھے جہاں سے ہیرانگ ہو کر گزرتی تھی اور شہروں کی دولت کا دارِ ادا اس کے ٹھکار پر تھا، آہستہ آہستہ اس مچھلی نے ادھر سے آنا جانا چھوڑ دیا اور یہ شہر ویران ہونا شروع ہو گئے۔

میا کیرل یا مچھلیوں کا دریا۔ میا کیرل



کے متعلق کہا یہ جاتا ہے کہ دنیا کی تمام مچھلیوں میں اپنے جسم کا لحاظ کرتے ہوئے سب سے تیز تر سونے والی یہی ہے، دیکھنے میں بھی نہایت خوبصورت اور سڈول ٹوٹی ہو، انسان اس کا گوشت بہت شوق سے کھاتا ہے اور یہ اس کثرت سے دریا میں پائی جاتی ہے کہ سن کر صبرت بھرتی ہے



مچھلیوں کو ہیرانگ اور ایل کہتے ہیں۔ یہ عموماً یورپ کے دریاؤں یا قطب شمالی اور قطب جنوبی کے قریب کے ٹھنڈے سمندروں میں کروڑوں کی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ انسان اس کے گوشت کو بہت لذیذ سمجھتا ہے اور لاکھوں ہی پکڑ کر کھا جاتا ہے۔ یہ مچھلی سال بھر ٹھنڈے

ہو سکے۔

بادشاہ ادھر اپنے بھائی سے کچھ باتیں کرنے لگا، لیکن یہ حدیث کے ادب و احرام کے خلاف تھا۔ یہ دیکھ کر امام صاحب کو ضبط کی تاب نہ رہی آپ نے اُسی وقت بادشاہ کو تنبیہ کی اور فرمایا ہم حدیثِ شریف اس لیے نہیں پڑھتے کہ آپ آئیں اور یہاں بیٹھ کر باتیں کریں حدیثِ نبوی کا کچھ ادب بھی چاہیئے۔

بادشاہ نیک دل اور شریف انسان تھا امام صاحب نے بات بھی بالکل واجبی کہی تھی۔ اُسے ناگوار نہ ہوا بلکہ مان گیا اور فوراً خاموش ہو رہا۔ اور جب تک حدیثِ شریف کا سبق ختم نہ ہو لیا پھر اس نے بات چیت نہیں کی۔

جب امام سلفی اپنا کام کر چکے تو بادشاہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ بادشاہ امام صاحب کی اس بیانی جرات سے بہت خوش تھا۔

تم نے اس اسلامی بادشاہ کا اخلاق دیکھا۔ جب کوئی آدمی خواہ تم سے دولت اور مرتبہ میں کتنا ہی چھوٹا ہو۔ کوئی معقول بات کہے تو اسے ماننا اور اُس پر عمل کرنا چاہیئے۔

(محمد حسین مجوی لکھنؤی)

اے ڈانڈا، ڈرانا، دھکانا۔ اے وہ ہمت و ایمان کے لیے دکھائی جانے۔

چنانچہ ایک مرتبہ اس کا شکار کرنے والوں نے سمند میں پچاس میل لمبا اور ایک میل چوڑا ایک ایسا ٹکڑا دیکھا جس میں اس بہتات سے میاں لیر تیرتے جا رہے تھے کہ ان کے سوا دوسری چیز نظر ہی نہیں آتی تھی۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ مچھلیوں کا ایک بایچوں مار رہا ہو۔ اس مچھلی کا شکار کرنے والے شکار کی ہوئی مچھلیوں کو گنتے نہیں بلکہ ان کا وزن کر لیتے ہیں۔ بعض ملکوں کے ماہی گیروں نے ایک ایک سال میں پانچ پانچ لاکھ ٹن مچھلی کا شکار کیا ہو۔ اور اس تجارت میں سالانہ لاکھوں روپیہ کماتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ والے اس کا گوشت بہت پسند کرتے ہیں۔

(سید محمد عسکری)

امام سلفی اور مصر کا بادشاہ

امام سلفی ایک بہت بڑے عالم اور فضائلِ بزرگ تھے ایک دن وہ حدیثِ شریف کا سبق پڑھا رہے تھے کہ مصر کا بادشاہ اور اس کا بھائی دونوں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

امام صاحب پڑھانے میں مشغول تھے اس وجہ نہ تو بادشاہ کی تعظیم کے لیے اُٹھے اور نہ اس کی طرف متوجہ

اے بزرگ واپچھے عالم

عرب
۲



یہاں کھیتی نہیں ہوتی اور اگر کہیں کہیں ہوتی بھی ہے تو بہت کم۔ کھجور یہاں بکثرت ہوتی ہے۔ اور اسی سے عرب کے لوگوں کی گذر بسر ہے۔ کھجور کے پھل تانے بھی کھائے جاتے ہیں اور سکھا کر بھی انکے پتوں کی چٹائی، ڈلیاں، پٹیکھے اور کئی طرح کی بہت سی دوسری چیزیں بنتی ہیں۔ کھجور کی شراب بھی بنائی جاتی ہے۔ اور اس کا تہہ خمیوں کے تانے میں کام دیتا ہے۔ عرب کے سوداگر اونٹوں پر اپنا سامان لاد کر لاتے اور لیجاتے ہیں۔ سیکڑوں اونٹ ایک ساتھ لدے ہوئے ایک کے پیچھے ایک چلتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اونٹوں کی ریل جا رہی ہے۔ ریگستان میں سڑک تو ہوتی ہی نہیں۔ کبھی کبھی سیارے بوپاری سڑک میں بڑی ہی دقت برداشت کرتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ہفتوں آبادی میں نہ پہنچنے کی وجہ سے

یہ بھوکے پیاسے مر بھی جاتے ہیں۔ ان ریلیں میدانوں میں آندھی بھی بڑے غضب کی آتی ہے چند منٹوں میں ہی لاکھوں من ریت ادھر سے اودھڑا کر چلا جاتا ہے اور دیکھتے دیکھتے ہی سیکڑوں فٹ اونچا ریت کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ ایسے اندھڑے میں بھپن کر خال خال ہی کوئی بچ پاتا ہے۔ میدان میں جاتے ہوئے مسافروں پر بات کی بات میں بانسوں اونچا ریت جم جاتا ہے۔ اور وہ اونٹ سمیت دب کر مر جاتے ہیں۔ اہل اسلام کے متبرک مقامات مکہ شریف اور مدینہ منورہ ہمیں پر ہیں۔ جہاں لاکھوں مسلمان ہندوستان اور دوسرے ملکوں سے حج کے لیے ہر سال جاتے ہیں۔

(چند ریشکروں کا ہزار سیکر)

ایک بہادر لڑکا

افریقہ کے وسط میں بیجم کانگو کا وسیع ملک پھیلا ہوا ہے۔ یہ ملک اگرچہ بہت بڑا ہے مگر آباد نہیں ہے بلکہ ہر طرف جنگل ہی جنگل ہے۔ بارشیں خوب ہوتی ہیں جنگلی جانوروں کی بہت کثرت ہے۔ اگرچہ بہت سے حصے ایسے ہیں جہاں ہر سال مختلف ستیا جاتے ہیں مگر ابھی تک اس کے بعض حصے بالکل دریافت نہیں ہوئے ہیں۔ دریائے کانگو اور اس کے علاوہ اور بہت سے

چھوٹے چھوٹے دریا اس ملک میں پائے جاتے ہیں۔ ان دریاؤں میں گھڑیاں اور دریائی گھوٹے کثرت سے ہیں۔ یہاں کے دیسی باشندے ”کافر“ کہلاتے ہیں یہ لوگ مضبوط اور کالے رنگ کے ہوتے ہیں لگی جان ہر وقت درندوں اور دریائی خونخوار جانوروں کی وجہ سے سخت خطرہ میں رہتی ہے مگر یہ لوگ اپنی بہادری کی وجہ سے ان خطروں سے بچ جاتے ہیں۔ یہاں کے لڑکے اور لڑکیاں بھی اپنے ماں باپ کی طرح بہادر اور دلیر ہوتے ہیں۔

دریائے کانگو پر ایک شہر کوئل بیٹواہل ہے اس کے قریب ہی ایک چھوٹا سا گاؤں ہلکڑ ہے یہاں ایک لڑکا ”نیلو“ نامی رہتا تھا جس کی عمر دوپہ پندرہ برس کی ہوگی۔ یہ لڑکا اپنی ذہانت بہادری استقلال اور دلیری کی وجہ سے بہت مشہور ہو سکو گھومنے کا بہت شوق ہے اور اپنے گاؤں سے صرف ایک بھالا لیکتیس لچیس میل دور تک نکل کر کی تلاش میں نکل جاتا ہے۔ اور اپنے ماں باپ کے لیے عمدہ عمدہ شکار لاتا ہے۔ بلکہ اکثر تورات بھی جنگل میں گزرتا ہے۔ وہ بہت تیز دوڑنے والا لڑکا ہے۔ ہرن کی طرح قلابخیں بھرتا ہے۔ ملی کی طرح تیزی سے درخت پر چڑھتا ہے کبھی بندر کی طرح اچانک کر ایک درخت سے دوسرے

درخت پر چلا جاتا ہے۔ گاؤں والوں میں یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ وہ کئی مرتبہ خونخوار وحشیوں کو زخمی کر کے لوٹ آیا۔ اکثر اس نے جنگلی لنگوروں اور بندروں کو اپنے چھوٹے بھالے سے مار ڈالا۔ اگرچہ اس کے ہاتھ اس قدر طاقتور نہ تھے مگر وہ کچھ اس طرح دار کرتا تھا کہ اسکو دشمن کو نجات ملنا ناممکن ہو جاتی تھی۔

نیلو کے گاؤں سے تھوڑے فاصلہ پر دریا میں ایک دریائی گھوڑا رہتا تھا یہ بہت طاقتور جانور تھا اس کے جڑے کھلے اور پھیلے ہوئے تھے یہ اکثر گاؤں والوں پر حملہ کر دیتا تھا اور اکثر کو اس نے ختم کر دیتا تھا نیلو بھی اس خوفناک دشمن سے ہوشیار رہتا تھا اور دو ایک مرتبہ اس نے اس کو زخمی بھی کر دیا مگر یہ اپنے دشمن پر پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا۔

(محمد احمد منہادی بھوپال)

دعا

خداوند! مجھے وہ دل عطا کر کہ جس دل میں ہو بس تیری محبت نہ دنیا کی ہو بس مجھ کو ستائے نہ ہو میری کسی سے کچھ عداوت مجھے بس کلام ہو علم و ہنر سے

صبح اٹھنے کے فائدے

پایے بچو! آج میں تمہیں ایسی باتیں بتانا چاہتا ہوں جن میں تمہارے دین اور دنیا کے بہت سے فائدے ہیں۔

(۱) اگر تم صبح سویرے اٹھو گے تو تمہیں نماز فجر پڑھنیگی اور قضا نہ پڑھنا پڑیگی۔

(۲) تمہارا ذہن تیز ہو جائے گا کیونکہ صبح کی ہلکی ہلکی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا (نسیم سحر) دماغ کے لیے نہایت مفید ہے۔ اور بغیر صبح اٹھنے تم خدا کی اس نعمت سے فائدہ نہیں حاصل کر سکتے۔

۳۔ صبح اٹھنے سے تم اپنا وہ سبق جو اسکول میں پڑا گیا ہے یاد کر سکو گے اور اسکول میں مار کھانے سے بچو گے اور اس طرح تم اپنے ساتھیوں میں ذلت کی نگاہ سے نہ دیکھے جاؤ گے۔

۴۔ اگر تم صبح سویرے اٹھو گے تو تم کو دوڑنے کے لیے کافی وقت ملے گا اور اگر تم بلا ناغہ دوڑنے کی مشق کرو گے تو یقین مانو کہ چند دنوں میں تمہاری تندرستی بالکل ٹھیک ہو جائیگی اور تیز دوڑنے لگو گے۔

اس لیے پایے بھائیو! تم کو چاہیے کہ روزمرہ

مرے سینہ میں بھری علم و حکمت

شبانہ روز دھن پر عسلم و فن کی

نہیں ہو اس سے بڑھ کر کوئی دولت

نہ غیروں سے مجھے کوئی غرض ہو

نہ پھٹکے پاس میرے کبر و نخوت

میں پڑھ لکھ کر کسی کے کام آؤں

کروں میں قوم کی دلائل و اجتہاد

نہ محنت سے چراؤں جان ہرگز

نہ مشکل سے کبھی میں ہاروں بہت

جو وقت آئے بچھاؤں شیر کو میں

عطا کر میرے دلیں ایسی جرات

بزرگوں کی کروں تعظیم حرم

بڑی صحبت سے آئے سخت نفرت

تو کر سیراب میرے دل کی کھینی

برس لے ابر رحمت! ابر رحمت!

خداوند! وہ قوت مجھ کو دے تو

کہ پھر قائم کروں تیسری خلافت

مرے دم سے ہو دنیا میں اُجالا

کروں اسلام کا میں بول بالا

ابراہیم عادی - ۲۱ جون ۱۹۷۷ء

۱۷ دن رات ۱۷ غور

تو اکثر یہ ذکر کیا کرتے تھے کہ لندن بہت بڑا شہر ہوگا
دہلی سے کوئی تین چار گنا بڑا۔ لیکن یہاں ہنجر میری
آنکھیں کھل گئیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم یہاں آؤ تو تم
بھی حیران رہ جاؤ گے۔ خیر میں اب کوشش کرتا ہوں کہ
لندن کے حالات لکھ سکوں۔

جب ہم لندن کا حال بڑھا کرتے تھے تو ہمیشہ دو
حصوں کا نام سنتے تھے۔ ایک نوابسٹ اینڈ مشینری حصہ
اور دوسرے ویسٹ اینڈ (مغربی حصہ)۔ تم پوچھو گے کہ یہ
حصے کس کے پوربہادر پرچم میں ہیں۔ ان کو آپس میں تقسیم
کرنے والی کیا چیز ہے؟ تو میں نہیں بتاتا ہوں۔ ان دو
حصوں کو تقسیم کرنے والی چیز لندن کا پرانا شہر ہے جو کج
کے بڑے لندن کے باہل بچوں بیچ ہے۔ یہ شہر اپنے
زمانہ میں باہل چھوٹا سا تھا اور باہر کے دشمنوں درحکمہ کرنڈ
والوں سے بچنے کے لیے اس کے ارد گرد دیواریں تھیں۔
اس شہر کی سڑکیں اور گلیاں ایسی تنگ و تاریک تھیں،
جیسے ہندوستان کے کسی پُراے شہر کی ہوں۔ دکانیں
بھی بہت چھوٹی چھوٹی تھیں، سوداگر اور تاجر دکانوں کے
ادپر کمروں میں رہتے تھے۔ یہ دکانیں اور سڑکیں اب بھی
موجود ہیں لیکن تاجر یہاں سے چلے گئے ہیں اور اس طرح
سے دیواریں بھی گرا دی گئی ہیں۔

لندن شہر کی کیا؟ جدھر دیکھو دفتر، تاجروں کی دکانیں

صبح سویرے اٹھا کر تو انہیں تمہاری صحت ٹھیک ہے
جو لڑکے صبح سویرے اٹھتے ہیں وہ ہی ہمیشہ دنیا میں
کامیاب ہوتے ہیں۔

پیام بھائیوں سے میری درخواست ہے کہ صبح
سویرے اٹھا کریں۔ ان کو خود معلوم ہو جائیگا کہ صبح
اٹھنے میں کتنے فائدے ہیں۔

راقم مسودہ حسن قعدائی متعلم درجہ ہفتم دہلی، حلیم سلمانی اسکول کراچی

شہر لندن

میرے ایک عزیز دوست آج کل دنیا کا
سفر کر رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے تین چار خط لکھے ہیں
جن میں لندن پیرس اور دوسرے شہروں کے
دیکھ بھال بیان کیے ہیں۔ پیام بھائیوں کی دلچسپی
کے لیے ان کا پہلا خط یہاں لکھا جاتا ہے جس میں انہوں
نے شہر لندن کے حالات لکھے ہیں۔

سید نصیر احمد

پچھلے خط میں میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ لندن
کے حالات لکھوں گا۔ وعدہ تو میں نے کر لیا تھا مگر اسکا
پورا کرنا بہت مشکل ہو گیا کیونکہ لندن اتنا بڑا شہر ہے کہ اس کے
حالات آسانی سے بیان نہیں کیے جاسکتے۔ تم اندازہ
نہیں کر سکتے کہ لندن کیا ہے؟ جب ہم غم دہلی میں تھے

بنیک شاندار عمارتیں اور لوگ ہیں۔ جب صبح کے وقت ہزاروں آدمی شہر کے باہر سے یہاں کام کرنے آتے ہیں اور شام کو کام ختم کر کے واپس جاتے ہیں تو عجیب نظارہ ہوتا ہے۔ سڑکوں پر پلوں پر آدمی ہی آدمی ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آدمیوں کا ایک سمندر ہے۔ شہر میں ایک کھلی جگہ ہے جہاں سات سٹکس اگر چلتی ہیں۔ یہ مقام اپنی عمارتوں اور کھانے جانے والوں کی کثرت کے سبب مشہور ہے سارا سارا دن گاڑیاں مڑتی اور آدمی ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر گزرتے رہتے ہیں۔ آمدورفت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ اسے کم کرنے کے لیے اپنے مین کے نیچے (زمین دوز) ریلے بنائے گئے ہیں جن میں بجلی کی گاڑیاں چلتی ہیں۔ لیکن آمدورفت کا اتنا اچھا انتظام ہے کہ کیا کہنے۔ بس نصف ہی موٹھ سے نکلتی ہے۔ اس مقام کے ایک طرف ایک عمارت ہے۔ کچھ زیادہ شاندار نہیں۔ یہ انگلستان کا بنیک ہے۔ یہاں دنیا کے آدھے سے زیادہ مالی معاملہ کالین دین ہوتا ہے۔ یہ عمارت بہت مضبوط اور محفوظ ہے۔ چوراس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اس کے ایک طرف مینشن ہاؤس ہے جہاں میر رہتا ہے۔ میر کو تم جانتے ہی ہو۔ یہاں عموماً شہزادوں وغیرہ کی دعوتیں بھی ہوتی ہیں۔

یہاں دو عمارتیں اور بھی دیکھنے کے قابل ہیں ایک تو ٹاور اور دوسری سینٹ ہال کا گرجا۔ سب سے پہلے میں نے ناورد دیکھا تھا۔ یہ لندن کی سب سے پرانی عمارت ہے۔ نہ صرف پرانی بلکہ اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ عمارت دریائے ٹیمز کے کنارہ پر ہے۔ یہ ٹاور مختلف کام دیتا رہا ہے۔ کبھی یہ قلعہ تھا کبھی خزانہ اور کبھی جیل خانہ۔ ولیم فاتح نے اس کی تعمیر شروع کی تھی اور ولیم روس نے اس کو مکمل کیا تھا۔ ٹاور سے کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ قطب مینار جیسی کوئی چیز ہوگی۔ نہیں یہ ایک قلعہ سا ہے۔ اتنا اس عمارت کو عجایب ظاہر سمجھ لو ایک کمرہ میں مختلف قسم کے جواہرات رکھے ہیں دوسرے میں مختلف قسم کے ہتھیار۔ ایک کمرہ ہے جہاں قید خانہ تھا اس کے سامنے ہی ایک باغ ہے جہاں قیدیوں کو موت کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ منارہ کے اوپر سے شہر کا نظارہ دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ یہیں سے ہیں ٹاور برج دکھائی دیتا ہے۔ یہ پل بالکل نیا ہے اور اس کے دونوں طرف بڑے بڑے دو منارے ہیں۔ اس کے نیچے سے دریائے ٹیمز بہتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کے نیچے سے بڑے بڑے ہمارے کیسے گزرتے ہوں گے۔ میں نہیں بتاتا ہوں جب کوئی بڑا جہاز پل کے قریب آتا ہے تو ایک گھنٹی بجادی جاتی ہے جس کو سن کر گاڑیاں موٹریں اور ہنر

ولے اس کو خالی کر دیتے ہیں اور اس پر کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ ایک بٹن دبانے سے یکایک پل کے دو حصے ہو جاتے ہیں اور یہ دونوں حصے اوپر اٹھ جاتے ہیں جیسے کہ کسی نے کھل سم سم سم کہ دیا ہو۔ اب کیا ہی جہاز آسانی سے گزر جاتا ہے۔ جون ہی جہاز گزر پل پھر ویسا ہی ہو گیا۔ کہو تم نے دلی میں یا لاہور میں بھی ایسا پل دیکھا ہے۔

(بالی آئینہ)

میرا خواب

میں بٹوے کو احتیاط سے جیب میں رکھ کر بازار سے ہوتا ہوا۔ شہر کے اس حصہ کی طرف روانہ ہوا جس کا پتہ لفافہ پر درج تھا۔ جب میں اُس گلی میں پہنچا۔ تو میں نے مکانوں کے نمبر دیکھنے شروع کیے۔ آخر ایک مکان پر وہی نمبر لکھا ہوا مل گیا، جو خط پر درج تھا، مکان بڑا عالیشان تھا، جس سے پتہ چلتا تھا کہ کسی بڑے مالدار کا مکان تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوا۔ اور بڑے کمرے میں جا پہنچا، کمرے میں ایک آدمی صوفے پر لیٹا سگریٹ پی رہا تھا ہکا لباس بڑا صاف ستھرا تھا، اس نے اپنا سر اٹھایا اور میری طرف دیکھا اور پوچھا ”لڑکے تم کون ہو؟ یہاں

کیوں آئے ہو؟“

میں نے جواب دیا ”اچھا نام مسٹر ظفر احمد ہے؟“
”ہاں“ اس نے جواب دیا اور میری طرف حیران ہو دیکھنے لگا۔

میں نے پوچھا ”کیا آپ کی کوئی چیز کھوئی گئی ہے؟“
”ہاں“ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور میرے منہ تکنے لگا پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور میری طرف بڑھا اور پوچھا ”کیا تمہیں میسر آتا ہو ملک کیا ہے؟“

”جی ہاں“ میں نے جواب دیا۔ اور جیب سے بٹوہ نکال کر اُسے دیدیا۔

اس نے میرے ہاتھ سے بٹوہ چھین لیا۔ اور اُسے کھول کر دیکھنا شروع کیا۔ جب اُسے تسلی ہو گئی۔ کہ ہر ایک چیز ٹھیک ہے۔ تو اس کے چہرہ پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے اور کہنے لگا۔

”خدا کا شکر ہو کہ بٹوہ مل گیا۔ ورنہ مجھے بڑا نقصان ہو جاتا اور مفت کی تکلیف ہوتی۔ لیکن تم نے کہاں اسے پڑا پایا؟ تم کون ہو؟“

میں نے اس کو اپنی تمام کہانی سنائی اور اپنے گھر کے حالات بتائے۔

میرے حالات سن کر اُس نے کہا ”تم بڑے دیاندار لڑکے ہو۔ اور تم نے میرے لیے کتنی تکلیف کئے

میرے مکان کا پتہ لگایا جڑے میں چھپے ہوئے کا غذا
کئی ہزار روپے کی مالیت کے تھے، میں تمہاری اس
مہربانی کا از حد ممنون ہوں۔“

اس نے پھر اپنے نوکر کو بلایا۔ ایک کاغذ پرائس
کچھ لکھا۔ اور نوکر کو دیدیا نوکر وہ کاغذ لے کر باہر گیا ایک
گھنٹہ گزرنے کے بعد ایک موٹر کار دروازہ پر آکر رُکی۔
اس میں سے وہی نوکر نکلا اس کے ہاتھ میں بہت س
کاغذ تھے۔ وہ دو کاغذوں کے بل معلوم ہوتے تھے۔

مسٹر ظفر احمد نے نوکر کو حکم دیا ”سب چیزیں
اندر لے آؤ۔ اور ان کو میز پر رکھ دو۔ نوکر نے فوراً حکم کی
تعمیل کی۔

مسٹر ظفر احمد نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا
”یہ تمہارے اور تمہارے بھائی بہنوں کے لیے کافی ہوگا“
میں حیران تھا۔ میرا دل بڑا خوش تھا۔ اس خوشی
میں اس کا شکریہ بھی ادا نہ کر سکا۔ صرف میں مسکرایا۔
میز پر طرح طرح کی چیزیں رکھی تھیں۔ کئی قسم کے کپڑے۔
تصویریں۔ کتابیں۔ اعلیٰ قسم کی مٹھائی، آم، نازنگیاں
کیلے اور کئی قسم کے پھل۔

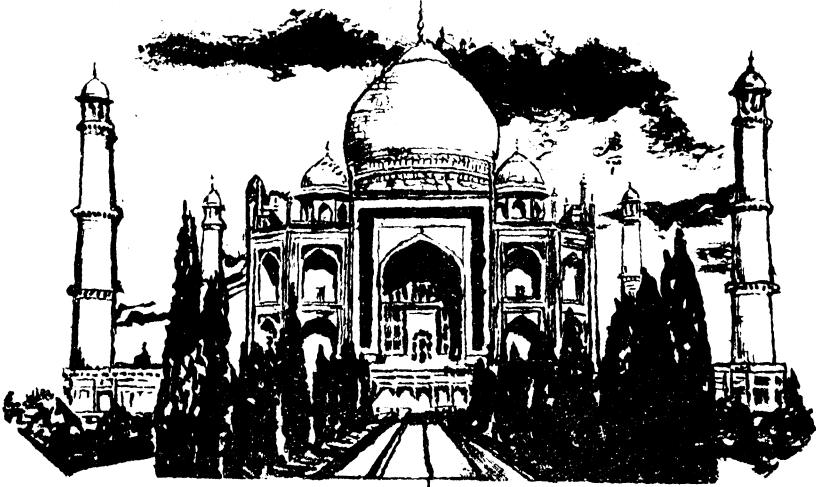
”یہ چیزیں تم لے جاؤ۔ تمہیں یہی موٹر کار تمہارے
گھر چھوڑائے گی۔ میں بھی کسی وقت تمہارے گھر آؤں گا
اور تمہارے گزارہ کا مناسب انتظام کر دوں گا۔ خدا حافظ۔“

میں ان چیزوں کو دیکھ کر کس قدر خوش تھا۔ میں
دل میں سوچتا تھا کہ جب میرے گھر والے یہ چیزیں دیکھ
پائیں گے۔ تو ان کی کیا حالت ہوگی۔ جب میری ماں کو
پتہ چلیگا کہ ایک امیر آدمی نے ہماری مدد کرنا وعدہ کیا
ہی، تو اس کا دل بہت خوش ہوگا۔ اب مجھے تمام دن
گلیوں میں کام کی تلاش میں پھرنے سے نجات مل جائیگی
اب میں پھر اسکول میں داخل ہو سکتا ہوں۔

میں ان چیزوں کو لے کر موٹر کار میں بیٹھا گھر جا رہا تھا۔
میں بڑا خوش تھا۔ اور بار بار چیزوں کو دیکھتا، کبھی موٹر
کو دیکھ کر خوش ہوتا۔ اچانک کسی نے میرے کندھے کو
پکڑ کر ہلایا اور کہا ”اکرم۔ اکرم“ میں نے جونی مڑ کر دیکھا
سارا منظر تبدیل ہو گیا۔ میں اپنی ٹوٹی ہوئی چارپائی پر
لیٹا ہوا تھا اور اسی پرانی چھت کے نیچے جہاں مدتوں
سے سوتا رہا ہوں۔ میری ماں مجھے جگا رہی تھی تاکہ میں
صبح سویرے بازار پہنچ کر کوئی کام تلاش کر سکوں۔ کام
نہ ملنے کی وجہ سے کہیں تمام گھر کو بھوکا نہ رہنا پڑے۔ لڑکی
میرا خواب جلد ختم ہو گیا۔ میں خواب کی دنیا سے اُٹھ گیا۔
میں پہنچ گیا۔

(شیر محمد اختر گزرائی)

سائیکل پر علی گڑھ سے آگرہ



جنوری کا مہینہ تھا اور چھپی کا زمانہ! ابھی سونچ
 نکلنے بھی نہیں پایا تھا کہ بونس صاحب نے مجھے نیند
 سے اٹھا کر آگرہ چلنے کے لیے کہا۔ پہلے تو میں نے سڑی
 کے موسم اور رمضان کے مہینہ کو بطور خذر پیش کیا مگر
 جب دیکھا کہ یہ بہانہ کارگر ہوتا نظر نہیں آتا، تو میں نے
 عرض کیا کہ اگر تین ساتھی ہوں تو میں بخوشی چلوں گا
 صفی اللہ صاحب درجہ نہم کے طالب علم ہیں اور زندہ دل
 کی زندہ مثال۔ ہم نے ان کے کمرے کی طرف جلد جلد
 قدم بڑھایا۔ بیچاے ابھی اٹھے بھی نہ تھے کہ ہم ان کی
 نیند میں مغل ہوئے۔ ہمیں اس طرح بے وقت دیکھ کر

دریافت کرنے لگے، ”کیسے خیر تو ہو۔ کیسے اس وقت
 تکلیف کی؟ وغیرہ وغیرہ“ ہم نے مختصر الفاظ میں
 اپنا مطلب بیان کیا وہ بستر پر سے اچھل پڑے اور
 کہنے لگے ”ابھی چلیں گا؟ میں ہیڈ ماسٹر صاحب سے
 اجازت لیتا ہوں“ ہمیں معلوم نہیں کہ انھوں نے کن
 کن حیلوں بہانوں سے چھٹی لی اور اپنے مختصر سامان
 کے ساتھ سائیکل پر ہمارے یہاں آئے۔ ہم بھی سامان
 ٹھیک کرنے میں مشغول تھے۔

ہمارے کمرہ کے تیسرے ساتھی Room mate
 جناب گوپال صاحب نے ہماری طیاری کو جس حسرت

انجھیں بڑی نعمت میں



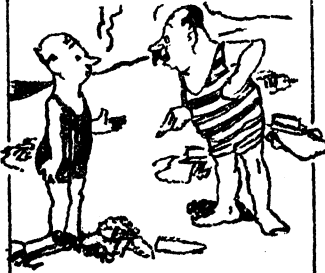
ایک دوسرے آدمی کی ٹوپی اٹھائی
وہ دُور سے چلایا ”مہربانی کر کے میرے
کپڑے پہنے دیجیے“ صاحب بہادر نے جواب
دیا ”معاف فرمائیے میری نظر کمزور ہے۔“



”عینک ڈھونڈے بغیر کام نہ بنیگا۔
اچھا نزدیک سو دیکھتا ہوں۔ شاید
مل جائے۔“



منہ لے کے بعد کپڑے ڈھونڈنے لگے
عینک کے بغیر دیکھ نہ سکتے تھے۔
عجب مصیبت میں پھنس گئے۔



تیسرا آدمی دُوسرے آدمیوں کی چیزیں پہنے
دیجیے ”صاحب بہادر لیکن میں تو کئی بار
معافی مانگ چکا ہوں۔ کیا کروں انجھیں
بڑی نعمت ہیں۔“



صاحب بہادر منہ لے کی تیاری
کر رہے ہیں نظر کمزور ہے ایسے عینک
آتا کر ٹوپی کے نیچے رکھ دی تاکہ دوبارہ
ڈھونڈنے میں تکلیف نہ ہو۔



ایک اور آدمی کے کپڑے اٹھائے
وہ پکارا ”خواہ خواہ دوسروں کے کپڑے
خراب نہ کرو۔“
صاحب بہادر افسوس بھجیے غلطی ہو گئی



”اوہو۔ تم نے میری عینک کیوں اٹھائی“



”اے!۔ میری عینک۔“

شیر محمد گجراتی

جزیرہ سادہ ہیل



جو بہت پر فضا تمام ہے بجلی کا انتظام اس جزیرہ کے لیے بالکل الگ ہے۔ طرح طرح کے پھول اور پلے درخت لگے ہوئے ہیں، وہاں ایک مین ہندو نے

سکھر، صوبہ سندھ میں دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے۔ یہ ایک بہت پرانا شہر ہے۔ سل منہ ہی ایک جزیرہ نظر آتا ہے، اس جزیرہ کا نام ”سادہ ہیل“ ہے

کی خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتا ہی، طرح طرح کے پرند پنی خوش الحانی سے دل خوش کرتے ہیں اس جزیرہ کے ایک طرف یلوے کا بہت بڑا پل ہے۔ اور دوسری طرف سکھر برج کا بند ہے جو دنیا میں سب سے بڑا بند ہے۔

(انیس جہاں)

بہت بڑی لائبریری (کتاب خانہ) بنائی ہے اور کئی مندر سب سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں۔ اب یہ سب عمارتیں سادہ چھوٹوں کے نام پر وقف کر دی گئی ہیں اور اس وجہ سے اس کا نام سادہ بیلاد سادہ ہو گیا کاتھکانا پڑ گیا ہے، وہ وہاں اپنے مذہب کے موافق دن اور رات عبادت میں مشغول رہتے ہیں بہت لوگ سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں چاروں طرف پانی اور بیچ میں باغ و کھش معلوم ہوتا ہے پھولوں

دوسرے کے ہاتھ سے سینے کوٹے کھائے تھے۔

پیام بھائیو! دیکھا برائی کا نتیجہ۔ کبھی کسی کے ساتھ برائی نہ کرنا چاہیے شاید کبھی تمہیں اس کی مدد کی ضرورت پڑ جائے۔

(حمید اللہ از کلکتہ)

برائی کا نتیجہ

ایک مرتبہ کچھ لوگ ایک شہر میں بیٹھے ہوئے تھے انکے سامنے ایک دوسری کشتی ڈوب گئی۔ دو بھائی پانی میں گر گئے۔ اس کشتی کے ایک امیر آدمی نے ملاح سے کہا ”اگر تم ان دونوں بھائیوں کو نکال دو تو میں تمہیں ایک سو روپے دوں گا“ ملاح ایک کو نکال لایا۔ دوسرا ڈوب گیا امیر آدمی نے کہا ”اس کی زندگی نہ تھی اس لیے تم نے اسے پکڑنے میں دیر کی“ ملاح نے ہنس کر کہا ”آپ نے جو کہا درست ہے۔ لیکن اس کا احسان مجھ پر زیادہ تھا، اس لئے کہ ایک نے فتنہ جب میں راستہ پر تھکا ہوا پڑا تھا تو اس نے مجھے اپنے گھوڑے پر بٹھالیا تھا اور ایک مرتبہ

کیا آپ کو اپنا منبر خریداری یاد ہے؟ اگر یاد نہ ہو تو مہربانی فرما کر پتے کی چٹ پر ملاحظہ فرما لیجئے خط و کتابت میں منبر کے حوالے سے بڑی سہولت مل جاتی ہے۔ ورنہ بسا اوقات جواب دینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ براہ کرم اسے نہ بھولیے۔

مہتمم

۳۷۵
آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرا نہ لیا جائے گا۔

۱۳۱/۵۶

پیشہ و الحاح طلبہ

٢٢٠٥٠

بیان تعلیم

21
07/1/21

[illegible]

